

انسان اور دیوتا

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو

لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدرآباد • کراچی

عنوانات

عرض حال

پیش لفظ

بارہویں ایڈیشن کا پیش لفظ

تعارف

دیوتاؤں کے سپاہی

سماج کا باغی

سزا

آخری سہارا

شہرہوں سے دور

راجہ اور پروہت

نیاسردار

رامہ کی سرگزشت

نیادیوتا

سیلاب

رامہ کا انتقام

اپنا دل بھیس

نصف بھاری

جملہ حق مصنف محفوظ ہیں

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکننگ یا کسی بھی قسم کی اشاعت
جہاں تک ڈیو یا مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔

ناشر: ریاض اے۔ شیخ (ایڈووکیٹ)

آپ کے مشورے اور شکایات کے لئے۔

E-mail: info@jbdpress.com
www.jbdpress.com

اشاعت: 2005

سرورق: JBD آرٹ سیکشن، لاہور

قیمت: -/225 روپے



آفس: 257 ریوان پبلنگ ڈاؤن، لاہور۔ فون: 042-7213318 فیکس: 042-7213319

سیکرٹریٹ: اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-7220879، سیکرٹریٹ: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-2765086

سیکرٹریٹ: اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5552929

سیکرٹریٹ: نزد یونیفارم سنٹر جامع مسجد صدر، رسالہ روڈ حیدرآباد۔ فون: 0300-3012131

سیکرٹریٹ: اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4781781

نیاز جہاںگیر پرنٹرز، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور نے پرنٹ کی۔ فون: 042-7314319

بھگوان کا اوتار
 سنگ تراش
 بدھو اور شنکر
 رندھیر اور شاننا
 سپیرا
 مادھو کی دیوی
 سماج کی منج
 متربانی
 اعتراف
 صلح امیس

بھارت ماتا

کے

سوتیلے بیٹوں کے نام!

نسیم حجازی

اردو فیکٹری ڈاٹ کام

دیو پاؤں کے سپاہی

سادوں کے دن تھے اور پائے بیاہیں اپنی پوزی شان و شوکت کے ساتھ بہر رہا تھا۔ کنا کے پرچند کشتیاں جن کے رستے بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے پانی کی لہروں پر چلنے پر چلنے چند ملاح کشتیوں کے پاس کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک بوڑھے ملاح نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دوسرے کنا کے تک نگاہ دوڑائی اور مڑ کر ایک نوجوان سے جو لباس سے فوجی افسر معلوم ہوتا تھا سوال کیا:

”کیوں مہاراج! آپ کو یقین ہے کہ وہ آج ضرور آجائیں گے۔“
نوجوان نے جواب دیا ”وہ آتے ہی ہوں گے؟“

”تو کیا ان کے لیے آج ہی دریا عبور کرنا ضروری ہے۔ وہ ایک دو دن پانی اتر جانے کا انتظار نہیں کر سکیں گے؟“

”ہرگز نہیں۔ سینا پتی جی، مہاراج کے ساتھ وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ اس دن کے اندر اندر یہ مہم سر کر لیں گے۔ وہ ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے۔“

”لیکن مہاراج! آپ انہیں ضرور سمجھائیں۔ ایسے طوفان میں کشتی ڈالنا خطرات سے خالی نہیں۔“
”تم شاید سینا پتی سکاڈو کو نہیں جانتے وہ اپنی دھن کے پلکے ہیں۔“

ملاح نے پوچھا ”وہ تیرنا جانتے ہیں؟“
”کون؟“
”سینا پتی جی۔“
”اس سے تمہارا مطلب؟“

”مہاراج! اگر وہ تیرنا نہ جانتے ہوں تو آپ انہیں کشتی پر سوار ہونے سے منع کریں۔ بڑے آدمیوں کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔“
نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا ”تم فکر نہ کرو وہ تیرنا جانتے ہیں اور اگر تیرنا نہ بھی جانتے ہوں تو بھی وہ ملاحوں سے کام لینا جانتے ہیں۔“

”مہاراج! اس جگہ سے دریا عبور کرنے ہوئے اگر کشتی اٹک گئی تو اس میں ہمارا قصور نہ ہو گا۔ ہم اس راستے سے واقف نہیں۔ دوسرے کنا کے کی اونچی چٹانوں کے درمیان کشتی لگانے کے لیے بہت تنگ جگہ نظر آتی ہے۔“

اگر ہمیں اپنے گھاٹ سے دریا عبور کرنے کا حکم ہوتا تو ہمیں اس پانی کی پڑا بھی نہ ہوتی۔ ہمیں اس جگہ کشتیاں لانے میں چار دن لگے ہیں اس وقت پانی بہت کم تھا لیکن بھگوان جانتا ہے کہ ہم جان جو کھوں میں ڈال کر یہاں پہنچے ہیں۔ ایک کشتی زلستے میں چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو چکی ہے اور اب خبر نہیں کیا ہو گا۔ اگر وہاں سے دریا عبور کر لیتے تو کیا خرچ تھا؟“

بوڑھا ملاح یہاں تک کہہ کر نوجوان کے جواب کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ بے پروائی سے دوسرے کنا کے کی طرف دیکھ رہا تھا اور ملاح کو اپنی بات دہرانے کی جرات نہ ہوئی۔

اس نوجوان کا نام راجہ واس تھا اس کی عمر اگرچہ چوبیس سال کے قریب تھی تاہم چہرے کی بشاشت اور تروتازگی سے وہ اٹھارہ سال کا نوجوان معلوم

ہوتا تھا اس کے چہرے سے سپا ہیا نہ تہذیب کی بجائے کچھ اس قسم کی سنجیدگی اور شرافت ٹپکتی تھی کہ دیکھنے والا ایک ہی نگاہ میں محبت، عقیدت اور اعتماد کے جذبات سے مغلوب ہو کر رہ جاتا۔ رام داس تیوری سے زیادہ مسکراہٹ سے کام لینے کا عادی تھا۔

پھر ٹھوڑی دیر بعد رام داس نے میرٹھ کو بڑھے ملاح کی طرف دیکھا اور سوال کیا "تم نے پہلے کبھی اس جگہ سے دریا عبور نہیں کیا؟" ملاح نے جواب دیا "ہاں، ملاح نے جواب دیا تھا کہ راجہ ابھائی نے باپ دادا نے بھی کبھی اس طرف کشتی لانے کی جرأت نہیں کی۔ سنا ہے کہ راجہ گوہند رام کے تین پوتے ان لوگوں پر سردیوں کے موسم میں چڑھائی کی تھی لیکن انہوں نے کسی کشتیاں چٹاؤں سے پتھر چھین کر ہی غرق کر دی تھیں۔ سینا پتی جی ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے ایک مہینہ پہاڑوں میں پھرتے رہے اور آخر کار پانچ عورتوں میں پون اور دو بوزوں کو جن میں سے ایک اندھا تھا قید کر کے لے گئے۔ رام داس نے کہا "یہی وجہ ہے کہ ہم گرمیوں میں دریا عبور کرتے ہیں۔" مہاراج! گرمیوں میں پتھروں کا وزن کم تو نہیں ہو جاتا۔" رام داس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "سردیوں میں دریا کا پانی اتر جاتا ہے اور وہ لوگ ہمارے حملے کا خطرہ محسوس کر کے ہوشیار ہو جاتے ہیں لیکن گرمیوں میں وہ دریا کو ناقابل عبور سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

رام داس یہ کہہ کر دریا کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اچانک دوسرے کنارے پر پہاڑیوں کے عقب سے کالے کالے بادل نمودار ہوئے اور ان کی آں میں دھندلی کی طرح آسمان پر چھا گئے۔ برسات کی پریم ہوا کے چند جھونکے آئے اور ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں۔ ٹھوڑی دیر بعد بجلی چمکی۔ بادل گرجا اور

موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ رام داس نے کہا "مہاراج! آپ جھونپڑی میں آجائیں۔" رام داس اٹھ کر ملاح کے ساتھ چل دیا۔

"چند قدم کے فاصلے پر سرکڑے کی جھونپڑی کے پاس سفید رنگ کا ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ بڑھے ملاح نے جلدی سے اپنی چادر اتار کر گھوڑے پر ڈال دی لیکن رام داس نے کہا اپنی چادر اتار لو۔ رات سے بھگنے سے نہیں بچا سکتی۔ ملاح اپنے اتار کا ثبوت دینے پر نکلا ہوا تھا لیکن ہوائی کے ایک تند جھونکے نے چادر کو گھوڑے کی پیٹھ سے اڑا کر دس پندرہ قدم کے فاصلے پر پھینک دیا۔ بڑھے ملاح چادر کے تعاقب میں بھاگا اور رام داس ہنستا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا۔ باقی ملاح سمٹ کر ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ایک ملاح نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ رام داس ابھی بیٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ایک ملاح جو دروازے میں کھڑا باہر جھانک رہا تھا، چلا آیا۔ وہ آگے آگے اور راجہ کی فوج آگئی!!"

رام داس اور ملاح جھونپڑی سے نکل کر بارش میں کھڑے ہو گئے۔ سکھ یو راجہ کی فوج کا سینا پتی مشکلی رنگ کے ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا اور چار سو کے قریب پیادہ سپاہی ڈھلی قطاروں میں اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ جھونپڑی کے قریب پہنچ کر سکھ یو نے گھوڑا روکا۔ بڑھے ملاح نے بھاگ کر گھوڑے کی نگام تمام لی۔ سکھ یو گھوڑے سے اترا۔ رام داس نے آگے بڑھ کر پناہ مانگا۔

سکھ یو نے پوچھا "کشتیاں پہنچ گئیں؟" رام داس نے جواب دیا "جی ہاں۔" کشتی میں...

”سات میں لیکن ایک ذرا ٹوٹ گئی ہے۔“

”ملاحوں کا مکھیا کون ہے؟“

”بوڑھے ملاح نے جلدی سے گھوڑے کی باگ دوسرے کے ہاتھ میں

تھماتے ہوئے پاتھ باندھ کر کہا ”حکم مہاراج!“

”ایک پھیرے میں کتنے آدمی پارے جاو گے؟“

”مہاراج ایک کشتی میں چالیس آدمی جا سکتے ہیں لیکن

”لیکن کیا؟“

”مہاراج ابارش تو آپ دیکھ رہے ہیں، ذرا آگے بڑھ کر دریا کی روانی

بھی دیکھ لیجئے۔ ایسے وقت میں دریا عبور کرنا بہت مشکل ہے۔ دریا کا یہ حصہ

بہت خطرناک ہے جبکہ جگہ پانی میں چھپی ہوئی چٹانیں کشتیوں کے پر نیچے اڑا

دیتی ہیں۔ دوسرے کنارے پر کشتی لگانے کے لیے صرف ایک چھوٹا سا گھاٹ

ہے جو اس وقت بارش کی وجہ سے نظر ہی نہیں آتا۔ اگر ہماری کشتی وہاں پہنچ

گئی تو خیر ورنہ نیچے کی طرف دو دو تک بلند چٹانیں ایک دیوار کی طرح کھڑی

ہیں جو ہمارے کشتی لگانے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ آپ بوڑھے آدمی کی بات

مانیں، ایک دو دن انتظار کریں۔ اگر کج بارش تھم گئی تو پرسوں تک پانی اتر جائیگا۔

سکھدیو نے کہا ”پرسوں تک! میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے

آج ہی دریا عبور کرنا ہے۔“

”مہاراج! آپ کا حکم سنا رکھوں پر لیکن خطرہ بہت ہے۔ اگر آپ اپنی

ہی مرضی بروتنا چاہتے ہیں تو کم از کم میری ایک بات ضرور مان لیجئے۔“

”وہ کیا؟“

”ہم کشتیاں اپنے گھاٹ پر واپس لے جاتے ہیں۔ کل تک ہم وہاں

پہنچ جائیں گے اور وہاں سے آپ کو دریا کے پار پہنچا دیں گے۔“

سکھدیو نے بڑے کرخت لہجے میں جواب دیا ”تم یا خود بے وقوف

ہو یا ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو۔ اگر اس جگہ سے دریا عبور کرنا ہوتا تو ہمیں اتنی

تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ دشمن سے اگر ہمیں یہ امید ہوتی کہ وہ مقابلے

کے لیے میدان میں آئے گا۔ تو ہم بیس کوئس تو کیا چالیس کوئس نیچے جا کر دریا

عبور کرتے لیکن ہمارا دشمن شیر نہیں جوتسا منے آجائے، بلکہ خرگوش ہے جو ہماری

آہٹ پاتے ہی کوسوں دوڑ بھاگ جاتا ہے۔ سوئے ہوئے خرگوش کو جگا کر

پکڑنے کی کوشش کرنا بے وقوفی ہے۔ اس جگہ سے دریا عبور کر کے ہم خرگوش

کو نیند کی حالت میں پکڑ سکیں گے۔“

”مہاراج! خرگوش پکڑا جائے یا بھاگ جائے ہمیں تم آپ کا حکم ماننا

ہے اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں آپ سے آخری بار کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

سکھدیو فطرتاً مغرور تھا لیکن اسے سینا پتی کے عہدے پر ناز نہ تھے

صرف بیس دن ہوتے تھے اور ان بیس دنوں میں وہ زیادہ تر یہی سوچا کرتا تھا

کہ وہ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہے۔ ایک سپاہی کو اتنا نرم دل نہیں ہونا چاہیے

چنانچہ بعض اوقات وہ ان سپاہیوں کو جو اس سے بہت زیادہ بے تکلف تھے

مردوب کرنے کے لیے بگڑنے کی کوشش کرنا۔ اپنے خوبصورت چہرے کو جو ہر

وقت مسکانے کے لیے بنایا گیا تھا خواہ مخواہ غضب ناک بنا لیتا لیکن اس کی اصل

فطرت اس کے ارادوں پر غالب آجاتی اور وہ اپنے مضبوط ارادوں کے باوجود

یہ بھول جاتا۔ کہ وہ سینا پتی ہے وہ دوسروں کے سامنے اپنے پرانے دوستوں

کو سخت سست کتا لیکن تنہائی میں انہیں بلا کر تسلی دیتا اور کتا کیوں بھٹی!

خفا ہو گئے! اتنی سی بات پر خفا ہو گئے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں سینا پتی بن

کو مغرور ہو گیا ہوں۔ نہیں تمہارا خیال غلط ہے میں ذہنی سکھ دیوں اس وقت میں کسی اور خیال میں تھا۔

یہی وجہ تھی کہ بڑے ملاح کو بے وقوف کہنے کے بعد سکھ دیونے سے تسلی دینا اپنا فرض سمجھتے ہوئے اس جگہ سے دریا عبور کرنے کے متعلق اپنے اعتراض و مقاصد کی پوری پوری تشریح کر دی لیکن جب اس نے خرگوش کے پورا جانے کے متعلق بے اعتنائی ظاہر کرنے کے بعد ایک نیا مشورہ دینے کی اجازت طلب کی تو سکھ دیونے اس کے الفاظ سے زیادہ رام داس کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا کہ سینا پتی کا وقار خطرے میں ہے اس نے بھنجدلا کر کہا "کو کیا کہتے ہو؟ بڑھا ملاح سکھ دیو کے لیے میں اس فوری تغیر کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ اس نے

پریشان ہو کر کہا "ہمارا راج اہم آپ کے نوکر ہیں آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم باقیہ پاؤں باندھ کر دریا میں کود پڑیں۔ ہمیں اپنی جان کی پروا نہیں لیکن آپ کے سپاہیوں کی جان بہت قیمتی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر آپ اسی وقت دریا عبور کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ایک کشتی جانے دیجئے۔ اگر وہ صحیح سلامت پہنچ گئی تو باقی بھی پہنچ جائیں گی۔ ملاح بھی تھوڑے ہیں۔ ہم ایک کشتی پہنچا کر تین کشتیاں ڈالیں گے۔ تین چار پھروں میں آپ کی ساری فوج پہنچ جائے گی۔"

سکھ دیونے محسوس کیا کہ اس دفعہ بڑھے ملاح پر اس کا خاصہ قطعاً عمل تھا اس نے مذمت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ بہت اچھا ایک کشتی پر کتنے آدمی سوار ہو سکیں گے؟

ہمارا راج پہلے پھرے میں صرف بیس آدمی ہوں تو بہتر ہو گا۔ سکھ دیونے رام داس کی طرف دیکھا اور کہا "رام داس! فوج سے بیس

چیدہ سپاہی علیحدہ کرو۔

"ابھی؟"

"اور کب؟ دریا عبور کرنے کے لیے اس سے اچھا موقع اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہم دشمن کو بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ میں رات کے وقت دریا عبور کرنا چاہتا تھا لیکن اب دوڑناؤں کی کرپا سے بارش شروع ہو گئی ہے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں خود پہلی کشتی پر جاؤں گا۔ اگر ہم پہنچ گئے تو باقی سپاہیوں کو کشتیوں میں

سوار کروا دینا درجہ فوج لے کر واپس چلے جانا۔ رام داس نے خواب و بات سننا ہی کا حکم ماننا میرا دھرم ہے لیکن یہ کہہ ہو سکتا ہے کہ خطرے کے وقت آپ آگے جائیں اور میں پیچھے رہوں۔ پہلی کشتی پر مجھے جانے دیجئے۔ آپ فوج کی پشت پناہ ہیں۔ آپ کی جان ملک کے لیے بہت قیمتی ہے۔"

سکھ دیونے مسکراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ رام داس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور بولا:

"رام داس! تم جانتے ہو کہ راج کے دربار میں اس مہم کو ختم کرنے کے لیے کسی کو میری تجویز سے اتفاق نہ تھا۔ میں اپنی ذمہ داری پر اس مقام سے دریا عبور کر رہا ہوں۔ اگر میں کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں تو گنگا رام اور اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکیں گے کہ میں تجربہ کار نہ تھا لیکن کسی کو یہ کہنے کی حرمت نہ ہو گی کہ میں بزدل تھا۔ اگر میں خود پیچھے رہوں اور کشتی کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے تو دربار میں کوئی آواز میرے حق میں نہیں ہو گی۔ میں سب کی نظروں سے گرجاؤں گا اور سینا پتی بننے کے متعلق گنگا رام کے خواب لوٹے ہو جائیں گے۔ اب ہمیں جلدی چلنا چاہیے اگر بارش ختم گئی تو ہمارا بننا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

کشتی کا رسا کھولا گیا اور ملاح جل کی دیوڑیوں اور دیوتاؤں کا نام لے لے کر لینے لگے۔ بانسوں کے ساتھ کشتی کھینچنے لگا۔ بوڑھا ملاح کشتی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھاگ بھاگ کر ملاحوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ بارش اور غلط تیز ہوا ہی تھی۔

کشتی ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ پانی کا بہاؤ اسے نیچے کی طرف کھینچنے لگا۔ ملاح اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے بعد کشتی کو چند گز اوپر لے جاتے لیکن پانی کی تیزی پھر غالب آجاتی اور کشتی کئی گز نیچے چلی جاتی۔ بوڑھا ملاح گلابھار پھاڑ کر اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ سکھ دیو بظاہر اطمینان کے ساتھ دریائی لہروں کی طرف دیکھ رہا تھا تاہم بوڑھے ملاح کی چیخ پکار اسے کبھی کبھی پریشان کر دیتی۔ منجھڑھاؤ میں پہنچ کر ملاح زیادہ حوش و خروش کے ساتھ جل کے دیوتاؤں کو مدد کے لیے پکارنے لگے۔ کشتی کو اب اوپر دھکیلنا تو درکنار سیٹھا لے جانا بھی دشوار تھا۔ ملاحوں کی چیخ پکار سننے لگا۔ ہموں کے دل ڈوبے جا رہے تھے۔ سکھ دیو ان کے منہ پر چہرے اور سر ہی ہونے لگا۔ دیکھ کر بوڑھے ملاح کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے اظہار کو چھپانے اور چہرے کو سکھتہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا: "تمہاری کشتی کہاں لگے گی؟"

بوڑھے ملاح نے ہاتھ سے دوسرے کنارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: "تمہارا جادو صرف دیکھنے اور چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹا سا گھاٹ ہے۔ کشتی وہاں نہ پہنچ سکی تو نیچے کی طرف کئی کوس تک کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہم کشتی لگا سکیں۔ اس کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ اگر ہم

نئے کشتی واپس موڑنے کی کوشش بھی کی تو بھی ہمیں کافی دور تک نیچے جانا پڑیگا راستے میں کئی ایسی چٹانیں ہیں جو پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتیں اور کشتی کے لیے بہت خطرناک ہیں۔

سکھ دیو یہ سن کر خاموش ہو گیا اور بوڑھا ملاح پھر اپنی چیخ پکار میں مصروف ہو گیا۔

کشتی دو دفعہ بھنور میں پھنسی اور دہرتے دہرتے سچی۔ بارش تھم چکی تھی اور گھاٹ بہت قریب نظر آ رہا تھا لیکن ملاحوں کے چہرہ پر بڑا اطمینان کے آثار اب بھی نہ تھے۔ بوڑھا ملاح بدستور چلا چلا کر کنارے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ملاح تھک کر چور ہو چکے تھے اور ان میں سے اکثر پانی کے مقابلے میں اپنی شکست کا اعتراف کر رہے تھے۔ کشتی آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بوڑھے ملاح کا گلابھیر چکا تھا لیکن منزل مقصود قریب دیکھ کر وہ اپنی پوری طاقت سے چلا آیا۔

شاباش بہادر و اہم پہنچ گئے۔ بہت کرو بہت کرو۔ ملاحوں نے اپنی رہی سہی طاقت کے ساتھ کشتی کنارے لگانے کی کوشش کی لیکن پانی کا ایک زبردست ریلہ آیا اور کشتی چند گز نیچے چلی گئی۔ بوڑھے ملاح نے اضطراری حالت میں اپنی پگڑھی اتار کر دریا میں پھینک دی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پٹینے لگا۔ ملاحوں نے کشتی روکنے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ ان کی کوشش بے سود تھی۔ ان کے سامنے گھاٹ کی بجائے مہیب چٹانیں ایک دیوار کی طرح کھڑی تھیں۔ جوں جوں کشتی گھاٹ سے دور جا رہی تھی یہ چٹانیں زیادہ خوفناک نظر آتی تھیں۔

تھکاوٹ اور بالواسطی کی وجہ سے ملاحوں کی ہمت جواب دے چکی تھی اور ان کے ہاتھوں میں بالنسوں کی گرفت و پھیل چلی چکی تھی۔

کشتی ایک خطرناک رفتار سے کنا لے کے ساتھ ساتھ بہ رہی تھی اور بوڑھا ملاح کشتی کے اگلے سرے پر کھڑا کھمبے پھاڑ پھاڑ کر پانی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ وحشت زدہ ہو کر چلا یا "چٹان... چٹان... ہوشیار!..... ہوشیار!!".....

سکھدیو نے غور سے پانی کی طرف دیکھا۔ اسے پانی کی سطح سے اوپر ایک پتھر کی ٹوک کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ملاحوں نے فوراً کشتی کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن پانی کی تیزی نے کشتی کو چٹان کی زد سے باہر نہ نکلنے دیا۔ کشتی چٹان کی سطح سے رگڑ کھاتی ہوئی گزری سکھدیو نے اطمینان کا سانس لیا لیکن ملاح یک زبان ہو کر شور مچانے لگے۔

کشتی ٹوٹ گئی! کشتی ڈوب رہی ہے! اپنی جان بچانے کے لیے تیار ہو جاؤ!

کشتی کے پینڈے میں شگاف ہو چکا تھا اور پانی ایک فوارے کی طرح اچھل اچھل کر اندر آ رہا تھا۔ بوڑھا ملاح سکھدیو کی طرف دیکھ کر چلا یا۔

ہمارا جج کشتی ڈوب رہی ہے۔ ناٹھو یا شمشبھو، کانو! ہمارا جج کی جان بچاؤ!

سکھدیو نے اپنا ترکش اور کمان دریا میں پھینکتے ہوئے کہا:

"مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ کہنے کے بعد وہ تلوار اٹھا کر پھینکنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن کسی خیال سے رک گیا۔

سپاہی سہمی ہوئی نگاہوں سے کبھی کشتی میں جمع ہونے والے پانی اور کبھی سکھدیو کی طرف دیکھتے۔ سکھدیو نے مغموم لہجے میں کہا۔

سماج کے بہادر و ابھنگوان کی بھی مرضی تھی۔ سماج کی سیدھا کے لیے ہمارے بزرگ بڑی بڑی قربانیاں دیتے رہے ہیں۔ موت کے ڈر سے تمہارے پھرے مغموم نہیں ہونے چاہئیں۔ تمہاری رگوں میں بہاؤوں کا خون ہے نہ ہمت اور استقلال سے کام لو۔ پانی کی لہریں دیکھ کر ہمت نہ ہارو۔ میں جانتا ہوں کہ اب واپس جانا بہت مشکل ہے۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اس کنا لے کے ساتھ ساتھ تیرتے چلیں۔ ان چٹانوں میں کہیں نہ کہیں باہر نکلنے کا راستہ ضرور ہو گا کنا لے پر پہنچ کر تمہیں شاید دشمن کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے تلواریں پاس رکھو باقی ہتھیار پھینک دو۔ جو تیرنا کم جانتے ہوں وہ تلواریں بھی پھینک دیں۔ ملاحوں میں سے جو دوسرے کنا لے پر جاتے ہیں وہ واپس جاسکتے ہیں۔

بوڑھا ملاح چلا یا۔

"کشتی جا رہی ہے۔ جا رہی ہے! ہوشیار! ہوشیار!"

(۴)

سکھدیو دوسرے سپاہیوں اور ملاحوں کی طرح اپنی جان بچانے کے لیے پوری جدوجہد کر رہا تھا۔ ملاحوں نے فرداً فرداً سکھدیو کے قریب پہنچ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن اس طوفان میں بڑے سے بڑے تیراک کے لیے اپنی جان بچا کر نکل جانا بھی بڑی بات تھی۔ سکھدیو کی جانوری اور غیرت نے کسی کی مدد لینا گوارا نہ کیا۔

ملاح دوسرے کنا لے کا رخ کر چکے تھے لیکن سپاہیوں میں سے کسی

کروان کی تقلید کی ہمت نہ ہوئی۔ پانی کی لہروں نے سپاہیوں کو منتشر کر کے چھوٹی چھوٹی گولہوں میں تقسیم کر دیا جو تیر نا نہیں جانتے تھے چند بار ہاتھ پاؤں مار کر چھپتے چلاتے پانی کی آشوب میں روپوش ہو گئے۔ دریا کے بہاؤ کا سارا زور کنا سے کی ناقابل عبور چٹانوں کے ساتھ بہا تھا۔ پانی کے بہیم تھپیڑوں نے بعض چٹانوں کے نچلے حصوں میں بڑے بڑے خلا پیدا کر دیئے تھے۔ اور ان مقامات پر نہایت خوفناک بھنور پیدا ہو رہے تھے۔

سکھریو اور اس کے چند ساتھی ایک بھنور میں پھنس گئے جس کا لہو انہیں موت کے منہ میں چھوڑ کر زبردست جہد کے بعد بھنور سے باہر نکلا۔ اتنی دیر میں اس کے دو ساتھی بہت دور جا چکے تھے۔ کچھ دیر اور تیرنے کے بعد سکھریو ایک اور بھنور میں پھنس گیا مگر پانی کا چکر اسے زبردستی کھینچ کر کنا سے کی طرف لے گیا۔ چٹان میں ایک جگہ پانی کی سطح کے برابر ایک کھار پتھر ابھرا ہوا تھا۔ سکھریو نے اس پتھر کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔ لیکن وہ دم نہ لینے پایا تھا کہ اٹھتی ہوئی لہروں کے چند تھپیڑوں نے یہ عارضی سہارا بھی اس کے ہاتھوں سے چھین لیا اور پھر وہ اسی خوفناک بھنور میں پھر کھانے لگا۔ کسی غلطی کھانے کے بعد سکھریو اودھ موٹا سا ہو کر بھنور کے چکر سے باہر نکلا اور دریا کے کھلے پانی میں تیرنے لگا۔

سکھریو میں اب ہاتھ پاؤں بلانے کی سکت نہ تھی۔ اس کا جسم سردی سے سن ہو رہا تھا اور سردی سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن اپنے ساتھیوں میں سے اسے کوئی نظر نہ آیا۔ ہر طرف پانی کی کوش موجیں موت کا مہیب راگ الاپ رہی تھیں۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں زندہ رہنے کی خواہش نے تھوڑی دیر کے لیے اس کی نیم مردہ رگوں میں ایک نئی

حرارت پیدا کر دی۔ اس رنگ و بو کی دنیا میں چند سانس اور لینے کی تمنا سماج کے مستقبل کو شان دار بنانے اور سماج کے پروہت کو خوش کرنے کے لیے اپنی جان قربان کرینے کی مقدس خواہش پر غالب آگئی۔ ایک لمحہ کے لیے اس دنیا کی تمام رنگینیاں اور دل فریبیاں جو زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی آنکھوں کے سینے میں چھپ گئیں۔ سکھریو نے آسمان کی طرف دیکھا اور رو رو بھری آواز میں چلا یا۔

”بھگوان۔۔۔ بھگوان۔۔۔! میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں زمین رہنا چاہتا ہوں۔ میں ابھی جوان ہوں۔ تیرے دیوتاؤں کو میری ضرورت ہے۔ بھگوان!۔۔۔ بھگوان!!“

سکھریو کی آواز دریا کے ہینگامے میں فنا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے اور ان آنسوؤں کے ساتھ اس کی رہی سہی ہمت بھی رخصت ہو گئی۔ ہم جب تک ہوش رہا وہ آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مارتا رہا بعض اوقات پانی کی لہریں اسے اپنے دامن میں چھپا لیتیں اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا اوپر ابھرتا۔

دیر تک موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد سکھریو کی آنکھوں کے سامنے سیاہی طاری ہونے لگی اور اس کے کانوں سے دریا کی موجوں کا شور مچھونے لگا۔

(۴)

ہوش آنے پر سکھریو کو چند غیر مانوس آوازیں سنائی دیں۔ اس نے آنکھیں

کھولیں اور اپنے ارد گرد چند اجنبی صورتیں دیکھ کر پھر بند کر لیں۔ گزشتہ واقعات ایک لمحہ کے اندر اندر اس کی آنکھوں میں پھر گئے۔

یہاں میں زندہ ہوں؟ یہ سوچتے ہی اس نے پھر آنکھیں کھولیں اور بوجھ سے ہو کر تاشائیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے اچانک یہ محسوس کیا کہ وہ انتہائی بے چارگی کی حالت میں ان لوگوں کے درمیان پڑا ہوا ہے جو اس کے بدترین دشمن تھے لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کے چہرے نفرت اور حقارت کی بجائے ہمدردی اور شوش ظاہر کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق اس کا انصاف پسند راجہ اور پروہت بے حکم صادر فرما چکے تھے کہ ان کی جھوٹی جلاوی جائیں اور انہیں سخت سے سخت اذیتیں دے کر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی سرسبز سرزمین کا گھوڑا چھوڑ کر کہیں دور چلے جائیں۔

یہ وہ لوگ تھے جنہیں نزدیک سے دیکھنا، جن کے ساتھ ہم کلام ہونا، جن کی آواز سننا اور جن کو چھونا وہ ایک بدترین پاپ سمجھتا تھا۔ جنہیں سماج کا قانون اچھوت قرار دے چکا تھا۔ جن کے ساتھ ظلم کرنا اس کا پیدا نشی حق تھا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن سکھ لوان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ انہیں کی بوسیدہ جھونپڑی میں ایک پھٹے پرانے بستر پر لیٹا ہوا وہ ان کی تشکیلیں دیکھ چکا تھا۔ ان کے منہ سے نکلی ہوئی آوازیں سن چکا تھا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی چیزیں چھو چکا تھا۔ ہر لحاظ سے اس کے دھرم کی دولت لٹ رہی تھی۔ سماج کے خوف سے اس کا دل کانپنے لگا۔

جسم میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ وہاں سے بھاگ اٹھتا اسے امانت

سپاہی کی طرح اپنی جان کا خوف نہ تھا لیکن اتنی ہی جگہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اسے گوارا نہ تھا۔

تاشائی اس کے متعلق عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے۔ ایک نوجوان بھاگتا ہوا جھونپڑی کے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا:

”راستہ چھوڑو“ سردار آتا ہے“ تاشائی جھونپڑی کے کونوں میں سمٹ گئے۔

ایک بوڑھا شخص لاٹھی ٹیکتا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان بلند قامت لڑکی تھی۔ بوڑھا سردار سکھ لوان کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس کی جان اس بوڑھے شخص کے قبضے میں ہے سکھ لوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے حقارت سے آنکھیں پھیر لیں۔

بوڑھے سردار نے پوچھا ”آپ کون ہیں؟“ سکھ لوان نے اس سوال کے جواب میں پھر ایک بار سردار کی طرف دیکھا اور خاموش رہا۔

سردار نے پھر کہا ”آپ اونچی ذات کے سپاہی معلوم ہوتے ہیں یہاں کیسے پہنچے؟“

سکھ لوان کی خاموشی پر ایک شخص نے جواب دیا ”ساراج! یہ دریا میں ڈوب رہا تھا ہم نے بڑی مشکل سے نکالا تھا“

”تم نے بہت اچھا کیا۔“ یہ کہہ کر سردار سکھ لوان کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ اطمینان سے یہاں پڑے ہیں آپ بہت تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ صبح تک آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

ہم دریا کا پانی اترتے ہی آپ کو پار پہنچادیں گے۔
 سکھ دیو کی پریشان صورت پرندے اطمینان کے آثار پیدا ہوئے لیکن
 سردار کے مزے سے تسلی کے چند کلمات ان ہزاروں کمائیوں کی توجیہ کر سکے جو
 ان لوگوں کی وحشت اور بربریت کا دھندلورا پٹینے کے لیے سماج کے اونچے اوزاروں
 میں بیان کی جاتی تھیں اور جنہیں سکھ دیو کے کان بچپن سے سنتے آئے تھے۔
 اس کے دل کی آواز نے اپنا تسلی آمیز اجیر بدل کر کہا یہ لوگ ایسے ناپاک
 لوگ اگر ہم کے لفظ سے آشنا نہیں۔ یہ سچے زیادہ سے زیادہ انسانک مزادینے
 سے پہلے تیری حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں۔ تیرے دل میں زندہ رہنے کی تمنا
 پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے آگ میں ڈالنے سے پہلے ایک خیالی جنت کی سیر کروانا
 چاہتے ہیں۔ انتہائی بے کسی کی حالت میں تماشا سٹیوں پر اچھلتی ہوئی نظر ڈالنے اور
 سردار کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد اس کی نکاہیں اس نوجوان لڑکی پر کمزور ہو کر
 رہ گئیں جو سردار کے قریب کھڑی تھی۔

سکھ دیو نے اچانک یہ محسوس کیا کہ ان ناپاک مفلس اور نادار لوگوں کے
 درمیان ایک ایسا وجود بھی ہے جو سماج کی حسین بریلوں سے مشابہت رکھتا ہے
 اس کا لباس دوسری عورتوں سے ستھرا تھا۔ اس کے چہرے پر صبح کا ذب کئے
 دھندلے اور صبح صادق کی سپیدی کی آمیزش سے پیدا ہونے والی ایک لفریب
 جھلک تھی۔ اس کے خدو خال میں غایت درجہ کی سادگی، بھولا پن اور جاذبیت
 تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ستاروں کی چمک اور شب کی سیاہی تھی لیکن ان میں
 شوخی سے زیادہ سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ مضبوط اور سڈول جسم جنس لطیف کی
 نزاکت سے زیادہ نسوانی رعب اور تقلد کا آئینہ دار تھا۔ غرض وہ جمال انسانی
 کا ایک ایسا سادہ اور دل فریب مجموعہ تھی، جو پہلی نگاہ میں جاذب توجہ اور دوسری

نگاہ میں دل فریب نظر آنے لگے۔

سکھ دیو کے سامنے ایک ایسی تصویر تھی جو آنکھوں کو تیرہ کر کے دل
 میں ایک ہنگامی تلاطم برپا نہیں کرتی بلکہ غیر شعوری طور پر دل کی گہرائیوں میں اتر کر ہلکے
 دھیمے اور میٹھے سروں میں ایک ایسا راک چھڑکتی ہے، جس کی تائیں وقت کی رفتار
 کے ساتھ بلند ہوتی رہتی ہیں اور بالآخر دل و دماغ کی تمام دستوری کو اپنی آغوش میں لے
 لیتی ہیں۔ لیکن سکھ دیو کے ضمیر پر مقدس سماج کا بیٹا ہونے کا احساس کچھ اس طرح
 غالب تھا کہ وہ اس دو شیزہ کی طرف ایک نظر سے زیادہ نہ دیکھ سکا۔ اچھوت لڑکی
 کے پوتر ہونے کا احساس نکاہوں کی تشنگی پر غالب آ گیا۔
 سردار نے کہا "ایسے موسم میں آپ دریا میں کیوں کوٹے؟ معلوم ہوتا ہے
 کہ آپ اچھے تیراک ہیں، ورنہ اونچی ذات کے لوگ بیاس کے تیز اور گہرے پانی سے
 آجکل دور ہی رہتے ہیں۔"

سکھ دیو نے سردار کی طرف دیکھا۔ دل نے زبان کو کچھ کہنے کی دعوت دی
 لیکن وہ اُلجھے ہوئے خیالات کی ترجمانی سے قاصر رہا۔ بوڑھے سردار نے شفقت آمیز
 لہجے میں کہا: آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ حوصلہ کیجئے ان لوگوں میں آپ کا
 کوئی دشمن نہیں۔ آپ کے راجہ کے بہادر سپاہی کسی بار ہمیں لوٹنے، ہماری بھونڈیال
 جلانے اور ہمیں غلام بنانے کی نیت سے اس زمین پر اپنے پوتر پاؤں رکھ چکے
 ہیں لیکن یہ پرانے وقتوں کی باتیں ہیں۔ اب آپ شاید پہلے آدمی ہیں جنہیں ہماری
 جنم بھومی میں ایک مہمان کی حیثیت سے قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اگرچہ ہم
 اس قابل نہیں کہ آپ کی پوری پوری تواضع کر سکیں لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ ہماری
 جان و مال سے کوئی شے بھی آپ کے پوتر پاؤں کی مٹی سے زیادہ عزیز نہیں سمجھی
 جئے گی۔"

سردار نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا "تمہیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں صحیح ہے" اور اس نے آگے بڑھ کر جھکتے ہوئے سکھ دیو کے پاؤں چھو لیے سکھ دیو ابھی تک تم کی بجائے آپ کہہ کر مخاطب کئے جانے پر ہی راج تھا سردار کی اس غیر متوقع حرکت کے بعد وہ اپنے دل پر ندامت کا ایک نانا بل بڑا بوجھ محسوس کرنے لگا۔ اس کے جی میں آئی کہ اس جھوٹری میں جس کا ہر تنکا اسے نفرت سے گھور رہا تھا اٹھ کر بھاگ جائے اور پھر اسی دریا میں چھلانگ لگا دے لیکن جسم میں اتنی طاقت نہ تھی وہ انتہائی اضطراب کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لوگ اپنے سردار کی تقلید میں یکے بعد دیگرے اس کے پاؤں چھونے لگے لیکن ان کے ہاتھوں کا لمس اس کے پاؤں کے لیے جلتے ہوئے انگاروں سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ سکھ دیو کے ضمیر نے بلند آواز میں کہا "کاش! یہ لوڑھا ان میں سے ہر ایک کو باری باری میرے پاؤں چھونے کی بجائے میرے سینے کو تیز خنجروں سے چھلنی کرنے کا حکم دیتا۔"

جب تمام لوگ سردار کے حکم کی تعمیل کر چکے تو اس نے نوجوان لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا "بہتر کنولی! تم کیا سوچ رہی ہو۔ مہمان کی عزت کا فرض سب سے زیادہ اس بد نصیب قوم کے سردار کے گھرانے پر عائد ہوتا ہے۔"

نوجوان لڑکی بچکچاتی ہوئی آگے بڑھی۔ سکھ دیو کی طرف حیا، مسرت اور گھبراہٹ میں کھوئی ہوئی ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا جھکی، سکھ دیو کے پاؤں پر کانپتا ہوا ہاتھ رکھا اور دھڑکتے ہوئے دل کو تھامے، آنکھیں جھکاتے سمستنی ہوئی سردار کے قریب آکھڑی ہوئی، ایک لمحے کے لیے اس کی تمام رگوں کا خون مہٹ کر گالوں میں آگیا اور پھر کچھ دیر سرخ اور سفید لہریں ایک دوسرے کا تقابلی کرتی رہیں۔ ایک برقی لہر سکھ دیو کے پاؤں سے اس کے دل اور دل سے دماغ تک پہنچی۔ لیکن

سماج کے مغزور بیٹے نے اپنے دل میں کسی لطیف خیال کو جگہ نہ دی۔ شام ہو چکی تھی۔ سردار نے چند آدمیوں کے سوا باقی تمام کو اپنے اپنے گھروں کی راہ لینے کا حکم دیا اور سکھ دیو سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ محلات میں رہنے والے ہیں۔ شاید اس بد لوڑھا جھوٹری میں آپ کو قیند نہ آسکے اور یہاں گرمی بھی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو آپ کے سونے کا انتظام باہر کر دیا جائے۔ بادل چھٹ چکے ہیں اور باہر ہوا بہت اچھی لگتی ہے۔"

سکھ دیو جواب دینے بغیر اٹھا اور سردار کے پیچھے چل دیا۔ ایک شخص نے باہر کھلے میدان میں چار پائی لاکڑ والی دی۔ سردار نے سکھ دیو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ آرام کریں! میرے آدمی آپ کی حفاظت کا خیال رکھیں گے۔" سکھ دیو بچکچاتا ہوا چار پائی پر بیٹھ گیا۔ سردار نے چند آدمیوں کو رات بھر پہرہ دینے کا حکم دیا۔ آٹھ دن آدمی سکھ دیو کے ارد گرد بھگی ہوئی گھاس پر بیٹھ گئے سکھ دیو کا پریشان ضمیر بلند آواز میں پکار اٹھا۔ یہ بہت زیادتی ہے میں رات بھر اتنے آدمیوں کو تکلیف دینے کا حق دار نہیں۔

اس دل میں جسے سماج کی تربیت ان لوگوں کے لیے پتھر سے زیادہ سخت بنا چکی تھی۔ رحم کی کوئی دہنی ہزنی چنگاری جاگ اٹھی اس نے سوچا "اگر میں اپنی پوری جماعت کے ساتھ دریا عبور کر لیتا تو ان سادہ لوح انسانوں کا کیا خیر ہوتا! یہ لوگ اس قدر بدنام کیوں ہیں! ہمارے ملک کے سماج نے انہیں انسانوں کا درجہ کیوں نہیں دیا! یہ میرے ساتھ اس قدر شرافت سے پیش کیوں آئے؟ میرے پاؤں چھونے کی بجائے انہوں نے میری بوتلیاں کیوں نہ توچ ڈالیں، اگر مجھے ان کے ساتھ دشمنی کا فطری حق ہے تو مجھ میں کون سی ایسی خوبی ہے جو ان لوگوں کے رحم کا مستحق بناتی ہے؟ اس نے چاند کی روشنی میں بوڑھے سردار کی طرف دیکھا اور اس

کے پھرے پر شفقت، مروت اور مہذوبی کے آثار دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ سردار نے کہا "اچھا میں جاتا ہوں۔ آپ کو اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو ان آدمیوں میں سے کسی کو میرے پاس بھیج دیں۔" سردار زیادہ دُور نہ گیا تھا کہ سکھ یونے چار پائی سے اٹھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "بھڑھے!"

سردار نے واپس مڑ کر پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟" مجھے ان آدمیوں کے درمیان نیند نہیں آئے گی۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں میں بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں تہہ رہنا چاہتا ہوں۔ آج کی رات۔۔۔"

سردار نے قریب آ کر جواب دیا۔ "اگر آپ جانا چاہیں تو آپ کو کون روک سکتا ہے اگر دریا کی یہ حالت نہ ہوتی تو میں شاید آج ہی آپ کو پار پہنچا دیتا۔ آپ کے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ آپ ہماری قید میں ہیں میں نے ان آدمیوں کو آپ کی خدمت میں اس لیے چھوڑا تھا کہ شاید آپ تنہائی میں سونے کے عادی نہ ہوں۔ شہر کے بننے والے جنگلوں سے خوف کھاتے ہیں۔"

سکھ یونے منموم لہجے میں کہا "میں انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ آپ انہیں اپنے اپنے گھر جا کر آرام کرنے کا حکم دیں۔"

سردار کے اشارے سے تمام آدمی اٹھ کر اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ اس نے سکھ یونے سے کہا "اس کام کے لیے مجھ سے کہنے کی ضرورت نہ تھی آپ خود انہیں حکم دے سکتے تھے۔ یہ سب مہانوں کی سیوا کرنا جانتے ہیں اور آپ جیسے مہانوں کی سیوا کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔"

سکھ یونے کے دل پر ایک گہرا چرکا لگا اور وہ مذہمال سا ہو کر چار پائی پر پلٹ

گیا۔ سردار وہاں سے رخصت ہو کر تھوڑی دُور چلنے کے بعد اپنے مکان میں داخل ہوا۔ مکان کے وسیع صحن میں چند عورتیں باتیں کر رہی تھیں انہوں نے سردار کو دیکھتے ہی اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

(۵)

سردار کنول سے کچھ کہے بغیر صحن میں ایک چار پائی پر لیزٹ کر گھر کے خیال میں کھو گیا۔ سردار کا نام سادھن تھا اور وہ اس علاقہ میں جس کا کچھ حصہ میدانی اور زیادہ حصہ پہاڑی تھا۔ ان آزاد قبائل کا راہنما تھا جنہیں دریا کے پار اونچی ذاتوں کی سماج کا پروہت اچھوت قرار دے چکا تھا۔ یہ لوگ پنجاب کی ان قدیم اقوام سے تعلق رکھتے تھے جنہیں وسطی ایشیا کے آریں فاتحین کے پے در پے حملوں نے پنجاب کے وسیع میدانوں سے بھگا کر شمال مشرق کے دشوار گزار پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ آریں یا اونچی ذات کے لوگ مغلوب ہو جانے والے دشمنوں کو سماج کے شور و بنا چکے تھے لیکن پھر بھی ہزاروں لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آزادی کی قیمت پر سماج کا قابل نفرت حصہ بنا گوارا نہ کیا۔ اور زرخیز میدانوں کو چھوڑ کر کانگڑے اور کشمیر کے درمیان پھیلے ہوئے پہاڑوں میں آباد ہو گئے۔ میدانی علاقوں کے وہ آریں حکمران جن کی ریاستوں کی حدود ان پہاڑی علاقوں سے ملتی تھیں اپنی اپنی شہرت اور ناموری کے لیے ان آزاد اقوام پر تلط جمانے کے لیے انفرادی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ایک راج جس قدر پہاڑی علاقوں میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑتا اسی قدر وہ اپنی رعیت اور پروہتوں کی نظر میں قابلِ عزت خیال کیا جاتا۔ میدانی علاقوں کے راجوں کی طرح پہاڑی باغی اقوام کے بھی کئی سردار تھے۔ دوسرے پہاڑی سرداروں

کی طرح ساون بھی ان چند قبائل کا رہنما تھا جنہیں آریں فاتحین کا غلام بننے سے نفرت تھی اور اس کے پڑوس میں میدانی علاقہ کاراج بھی ان چند راجاؤں میں سے ایک تھا جو سماج کی عزت اور اپنی شہرت و ناموری کے لیے ساون اور اس کی سرکش قوم کو مغلوب کر کے سماج کے شوہر بنا نا چاہتا تھا۔

اونچی ذات کے راجہ اور پروہت کے لیے یہ لوگ کسی خطرے کا باعث نہ تھے لیکن انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ انسانوں کا ایسا گروہ جسے ان کے دیوتا ٹھکرا چکے ہوں پہاڑوں کی سرسبز چوٹا گاہوں پر قبضہ جما کر آسمان کی بارش اور زمین کی زرخیزی وہ فائدہ حاصل کر سکے جو سماج کے طاقتور دیوتا فقط اونچی ذات کے انسانوں کے لیے مخصوص کر چکے تھے۔

لیکن اونچی ذات کی روحانی طاقت کا احترام اور ان کی جسمانی طاقت کا خوف پہاڑ میں رہنے والے سرکش لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ کر سکا۔ پڑوس کے راجہ کے آباء اجداد گزشتہ صدیوں میں یکے بعد دیگرے ان لوگوں پر اپنی طاقت آزما چکے تھے لیکن گھنے جنگلوں اور وشوار گزار پہاڑوں میں قدرت نے ان بے دست و پا لوگوں کی پناہ کے لیے ہزاروں قلعے تعمیر کر دیے تھے۔ گزشتہ بارہ برس میں پڑوس کے راجہ کی طرف سے ان لوگوں پر کوئی حملہ نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس عرصہ میں حکومت کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھ میں تھی وہ اپنے آباء اجداد کی ناکامیوں سے سبق حاصل کر چکے تھے اور یا شاید اس لیے کہ اونچی ذات والوں کا سماج خود ہی ایسے لوگوں کو انسانی حقوق سے محروم کرنے کا قدیم نظریہ بدل چکا تھا الغرض گزشتہ بارہ برس کے امن اور سکون نے ان لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا اور یہ دریا کے پار نشوونما پانے والے سماج کو ایک طاقت ور لیکن پرامن ہمسایہ سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے۔

معمولی ضروریات کے لیے بعض لوگ کبھی کبھی دریا عبور کر کے سماج کی مقدس زمین میں بھی داخل ہو جاتے لیکن وہاں بھی ان کے تجارتی اور کاروباری تعلقات صرف ان قبائل تک ہی محدود تھے جو سماج کے جبر و استبداد کے سامنے سر جھکا کر پرامن شودروں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ بعض نادانوں نے اونچی ذات کے مقدس ایوانوں کی زیارت کے شوق میں شہروں تک جانے کی جرات کی لیکن ان میں ایسے خوش نصیب بہت کم تھے جنہیں ایسے خطرناک مقامات کی سیاحت کے بعد زندہ اپنے گھر لوٹنے کا موقع ملا۔ اس لیے ساون نے چند سال سے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اس کی قوم کا کوئی آدمی دیوتاؤں کی مقدس زمین میں داخل نہ ہو لیکن پھر بھی بعض لوگ کبھی کبھی دریا عبور کر کے اسے بھڑکاتا کر رہی آتے۔ ساون طبعاً شریف تھا اس کی سادگی اور تدبیر نے قوم کے ہرزچے اور بڑے کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ وہ گزشتہ چند برسوں سے زندگی کے پرسکون سمندر میں اپنی قوم کی کشتی کی تیزار سنبھالے ہوئے تھا۔ اس زمانہ میں اس بوڑھے ملاح کو کسی طوفان سے واسطہ نہ پڑا لیکن دریا کے پار سونے والے طوفان بارہ برس بعد پھر ایک بار ایک نوجوان راجہ اور ایک بوڑھے پروہت کی شخصیت ہوا جاگ اٹھے۔ نوجوان راجہ کو تخت نشین ہوئے دو سال اور پروہت کو اپنے منصب پر فائز ہوئے چھ مہینے نہ ہونے پائے تھے کہ دریا کے پار بسنے والے آزاد قبائل کے خلاف سماج کے دیوتاؤں کی دبی ہوئی آواز پھر بلند ہوئی۔ بارہ برس کے بعد سکھ لیا اونچی ذات والوں میں سے پہلا شخص تھا جس نے سماج کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے نشو وروں کی اس ناپاک زمین کو اپنے پوتر چروں سے سرفراز کیا تھا۔

نزدار بستر پر لیٹا ہوا ان عجیب و غریب حالات میں اپنے ہمان کی آہٹ کے متعلق سوچ رہا تھا کنول اس کی اکلوتی بیٹی کچھ دیر چارپائی پر بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ بالآخر وہ اٹھی اور ساون کے قریب آ کر لہولی:

”باپو! آج آپ بہت پریشان ہیں کھانا لائیں۔“

ساون نے کنول کی طرف دیکھنے بغیر جواب دیا: ”نہیں مجھے بھوک نہیں۔“

کنول پھر لہولی: ”باپو! اب وہ ہمان شاید بھوکا ہو۔۔۔۔۔ آپ نے اس

کو کچھ کھانے کے لیے نہیں کہا۔“

اب سردار نے اٹھ کر بیٹھنے ہوئے جواب دیا: ”مجھے خیال تو آیا تھا لیکن مشکل

یہ ہے کہ اونچی ذات کے لوگ ہمارے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔“

”کیوں باپو؟“

”کنول! تو نہیں جانتی۔ ان کا دھرم انہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔“

اگر وہ مجبور نہ ہوتا تو ہماری چارپائی پر بھی نہ لیٹتا۔“

کنول نے کہا: ”باپو! اگر مجبوری اسے ہمارے بستر پر سلا سکتی ہے تو مجبوری

کی حالت میں ہمارے ہاتھ کا کھانا لینے میں کیا برائی ہے۔ آپ بوجھ تو لیتے؟“

سردار نے جواب دیا: ”مجھے ڈر تھا کہ وہ ناراض ہو جائے گا اس لیے میں نے

پوچھنے کی جرات نہ کی۔“

کنول نے کہا: ”شاید وہ بہت بھوکا ہو اور ناراض نہ ہو۔“

کنول اسے گھر کا کھانا کھا لینے میں اس کا دھرم بھروسہ نہ کر سکتا تھا

ہمان کا دھرم خراب کرنا میں پاپ سمجھتا ہوں اگر وہ بھوکا بھی ہو تو بھی میں اپنی

طرف سے اسے کھانے کی دعوت نہیں دے سکتا۔

”اگر وہ خود مانگ لے تو؟“

تو پھر کوئی بات نہیں لیکن وہ مانگے گا نہیں۔“

تو باپو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بیچارہ جب تک ہمارے پاس نہیں گا

مجبور کا ہے گا۔“

”کنول! تم اس کی اتنی فکر کیوں کرتی ہو۔ ہم صبح اسے دریا کے پار پہنچانے

کی کوشش کریں گے۔ جاؤ تم سو جاؤ!“

کنول مایوس ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گئی اس نے آنکھیں بند کر کے سو جانے

کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔ عورت کی وہ فطرت جو کسی اجنبی سے صرف

اس لیے دلچسپی لیتی ہے کہ وہ ایک پرنسسی ہے اور اس کا پرسان حال کوئی نہیں

— جو کسی تھکے ماندے مسافر کو دیکھ کر فوراً اس کی بھوک اور پیاس کا اندازہ لگاتی

ہے۔ جو کسی زخمی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ لیتی ہے۔ کنول کو بار بار سنبھالنے

کی بھوک کی شدت کا احساس کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

دیر تک چاند کے سامنے سے گزرنے والے ہلکے ہلکے بادلوں کو دیکھنے

کے بعد وہ اپنے بستر سے اٹھی۔ سردار گری نیند میں خولٹے سے رہا تھا۔ کنول نے

پاؤں مکان کے ایک کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک لکڑی سے چھتہ تکالی کے

بھونڈے میں ڈالے اور جھجک جھجک کر قدم اٹھاتی ہوئی مکان سے باہر نکل آئی۔

سکھریو کی چارپائی خالی پڑی تھی۔ کنول کچھ دیر پریشانی کی حالت میں وہاں ادھر ادھر

دیکھتی رہی۔ اچانک چاند بادلوں کے نقاب سے باہر نکلا اور اس کی نگاہیں دوڑوڑ

تک کام کرنے لگیں۔ سکھریو چند قدم کے فاصلے پر سر جھکائے آہستہ آہستہ ٹہلتا

ہوا چارپائی کی طرف آ رہا تھا۔ کنول نے جلدی سے اُم اس کے بستر پر ڈھیر کر دیے

اور واپس لوٹنے کو تھی کہ اچانک کسی خیالی نے اس کا راستہ روک لیا۔ جوں جوں سکھایو قریب آ رہا تھا کنول کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ ایک نامعلوم نوت اسے وہاں سے دھکیل کر گھر کی طرف لے جا رہا تھا اور ایک نامعلوم کشش اسے وہاں ٹھہرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سکھایو نے چارپائی کے قریب پہنچ کر اچانک کنول کی طرف دیکھا تو ٹھنک کر رہ گیا۔ اس نے کنول سے کچھ کہے بغیر چارپائی پر لیٹ جانا چاہا لیکن وہاں آموں کا ڈھیر دیکھ کر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر تذبذب کے بعد اس نے کنول کی طرف دیکھا اور کہا "تم نے میرے لیے یہ تکلیف کیوں اٹھائی؟"

سکھایو کے لب و لہجہ میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے وہ پریشان مہتی وہ جزبات کر کے ایک قدم آگے بڑھی اور پوچھی: "تاجی کو ڈرتا تھا کہ آپ نصت ہو جائیں گے... اس لیے وہ آپ کو کھانے کی دعوت نہ دے سکے... انہوں نے خود بھی کچھ نہیں کھایا... میں روٹی نہیں لاتی... یہ آم ہیں... اگر آپ تو روٹی بھی لے آؤں اور دو دھ بھی۔"

کنول کا ہر لفظ سکھایو کے دل سے توہمات کے ہزاروں نقاب الٹ رہا تھا وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس پر سکون ماحول میں اس بھولی بھالی دوشیزہ کے الفاظ اس کے کانوں کو ہی مسحور نہیں کر سکتے بلکہ ان کا خلوص و رنجش کے پتوں اور آسمان کے ستاروں کو بھی متاثر کر رہا ہے۔

اس نے کہا "نہیں۔ روٹی اور دو دھ کی مجھے ضرورت نہیں۔ تم جا کر آم کو کنول نے برابر اپنا التجا بن کر کہا۔ تو آپ آم کھالیں گے... کھانے کی چیز کھالینے میں کیا حرج ہے... آپ شاید کل بھی دریا عبور نہ کر سکیں... شاید چند دن اور ہمیں رہیں... اتنے دن بغیر کچھ کھائے...!"

سکھایو نے پہلی دفعہ ایک لمحہ کے لیے غور سے کنول کی طرف دیکھا... اسے کنول کا سادہ اور معصوم چہرہ یاد آ رہا تھا اور دکھائی دیا "تم مجھ کے ہوا کرتا رہی بھوک کا احساس نہ ہوتا تو میں اس وقت یہاں نہ آتی۔" سکھایو نے محسوس کیا کہ دیوانی لہجہ لڑکی اسے مقدس سماج کا دیوتا سمجھ کر اس کی لڑجا کے لیے نہیں آئی بلکہ اس کی بیجا رگی پر زور لگا کر اس کو کھانے کی دعوت دینے کے لیے آئی ہے۔ سماج کا مغرور سپاہی زیادہ دیر اچھوت لڑکی کے سامنے گردن جھکا کر کھڑا نہ رہ سکا۔ وہ آم ایک طرف ہٹا کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور کنول کچھ کہنے بغیر اپنے گھر کی طرف چل دی۔

سکھایو دیر تک چارپائی پر بیٹھا رہا۔ اچھوت لڑکی کے ہاتھ لگ جانے کے باوجود آموں کی مہک میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ سکھایو کی بھوک ناقابل برداشت تھی لیکن اس کے باوجود ذات کی برتری کا احساس آموں کی مہک پر قربانی ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ سکھایو نے ایک آم اٹھایا اور تصور کی آنکھیں سماج کے چہرے پر غم و غصہ کے آثار دیکھنے لگیں۔ اس نے گھرا کر آم وہیں رکھ دیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد پھر آموں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ اگر ان آموں کی قیمت فقط کسی پیٹ بھر لینے والی شے پر قیاس کی جاسکتی تو سکھایو نے کچھ سوچے اور بے قرار آنتوں کا مشورہ لینے بغیر انہیں اٹھا کر دوپھینک دیا ہوتا لیکن اچھوت لڑکی کے بھینڈ کسے ہوتے آج فقط آم نہ تھے سکھایو سپاہیانہ عزم کا مالک ہونے کے باوجود دیر تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ ضمیر کی ایک آواز اسے ہندو سماج کے احترام پر مجبور کر رہی تھی اور اس کی دوسری آواز کسی ایسے جذبے کے احترام کا سبق دے رہی تھی جس سے چند گھنٹوں قبل وہ قطعاً نا آشنا تھا۔ اس کے دل میں دیوتاؤں سے بگاڑ کی ہمت تھی نہ کسی معصوم دل کو ٹھوکر لگانے کا حوصلہ۔

بالآخر عقل نے فیصلہ صادر کیا کہ سماج کے دیوتا اس وقت بھی تیری حرکات

دیکھ رہے ہیں لیکن اس گنہگار قوم کے سب افراد سو رہے ہیں۔ اس نے قدرے اطمینان کی حالت میں آم اپنی جھولی میں ڈالے اور ایک طرف چل دیا۔

(۷)

مینڈکوں اور چھینکوں کے ترانے بارش کے دیوتا سے مزید لطف و کرم کی تمنا کر رہے تھے۔ دریا کی لہریں بدستور بڑی بڑی چٹانوں کو سنگ ریزوں اور سنگریزوں کو ریت کے ذروں میں تبدیل کرنے کے قدیم مشغلے میں مصروف تھیں۔

سکھدیو جھولی میں آم لیے دریا کے کنارے ایک چٹان پر کھڑا اُس چوہ کی طرح جو چوری کا مال چھپانے کا ارادہ کر رہا ہوا دھردھر دیکھ رہا تھا۔

سماج کا وہ بہادر بیٹا جس کی تربیت تیروں کی بارش اور تلوار کے سانچے میں ہوئی تھی، جسے برہمہ سماج کے دشمنوں کی لاشوں کو روندنا اور ان کے خون میں تیرنا سکھایا گیا تھا، ایک اچھوت لڑکی کے بھینٹ کئے ہوئے آموں کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ سکھدیو نے اپنی کمزوری پر ایک مصنوعی قہقہہ لگایا۔ اس کے قہقہے کی آواز تھوڑی دیر کے لیے فضا میں گونج کر تحلیل ہو گئی لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کے مصنوعی قہقہے کے جواب میں تمام کائنات ہنس رہی ہے، اسے دریا کی لہریں، چاند اور ستارے سب اپنے خلاف سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آئے اس کا ضمیر بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔

”اگر تیرے دھرم میں کمزوری نہیں آئی تو دھرم کے قانون کے خلاف ایک اچھوت لڑکی کے احترام کے کیا معنی! تو ایک طرف دیوتاؤں کو خوش رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی چاہتا ہے کہ ہندو دھرم کے دشمنوں کو بھی تیری طرف

سے کوئی رنج نہ پہنچے۔ تیرا دل گواہی دیتا ہے کہ اچھوتوں کے سردار کی شرافت اور اچھوت لڑکی کی مہمان نوازی برہمہ سماج کے مغرور بیٹوں کو شرمسار کر رہی ہے لیکن تو اس کا اعتراف کرنے سے گھبراتا ہے۔ کیا تو اب بھی یہ سمجھتا ہے کہ اگر یہ آم کھانے کی بجائے انہیں دریا میں پھینک دے تو اس جگہ سے واپس جا کر تو سماج کی زنجیر کا اتنا ہی مضبوط حصہ رہے گا جتنا کہ پہلے تھا۔۔۔۔!!

نہیں! ہرگز نہیں!! تو سر سے لے کر پاؤں تک تبدیل ہو چکا ہے تو وہ سکھدیو نہیں رہا جو سماج کی زنجیر کی ایک مضبوط کڑی بن سکے۔ اب تم وہ سپاہی نہیں رہے جو راجہ اور پربہت کی معمولی سی خوشی کے لیے سینکڑوں انسانوں کے سر قلم کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ اب تم راجہ اور پربہت کے حکم کے باوجود کسی شخص کی گردن پر تلوار اٹھانے سے پہلے بہت کچھ سوچا کر گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ تمہیں ہر شہر میں اس بوڑھے سردار اور اس بھولی بھالی لڑکی کی روح نظر آنے لگے اور تم ان لوگوں کی حمایت میں ہندو دھرم کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ بغاوت کا خیال آتے ہی سکھدیو کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کوئی بہت بڑا پاپ کر چکا ہے اور کوئی نامعلوم طاقت اسے دیوتاؤں کے قدموں سے دُور لے جا رہی ہے اور اس روندی ہوئی ذلیل قوم کے ہزاروں افراد چاروں طرف سے بھاگ بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور بوڑھے سردار اور نوجوان لڑکی اس کا دامن پکڑ کر کہہ رہے ہیں۔

”بتاؤ! ہم میں کیا برائی ہے، ہم نے کیا قصور کیا ہے؟ تم ہم سے نفرت کیوں کرتے ہو۔ ہمارے خون کے پیاسے کیوں ہو؟ سکھدیو نے محسوس کیا کہ وہ ان ستم رسیدہ لوگوں کے درمیان ایک مجبُرم کی طرح کھڑے اور اس کا دل ندامت کے بوجھ سے پساجار رہا ہے۔ لیکن اس موقع پر ضمیر کی دوسری آواز جو کسی حد تک

مغلوب ہو چکی تھی آخری بار چلائی۔ سکھ دیو! تم گمراہ ہو سہے ہو، دھرم کی لاج رکھو! سکھ دیو! کھپکا اٹھا اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے بلند آواز میں پکارا۔
 "نہیں! نہیں!! میرا ان ذلیل لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ انہیں دیوتا ٹھکرانے چکے ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

اس کی مردہ رگوں میں پھر ایک بار زندگی کا خون دوڑنے لگا اور وہ محسوس کرنے لگا کہ مقدس دیوتا جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتا، اپنی زبردست روحانی طاقت کی بدولت پانی کی سطح پر چل کر اس کی مدد کے لیے آ رہے ہیں اور وہ دیار غیر میں ایک بے خانماں مسافر کی حیثیت سے نہیں بلکہ شوہروں کی ناپاک بستی میں ہندو سماج کے لاڈلے بیٹے کی حیثیت میں داخل ہوا ہے اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنی جھولی سے ایک آم نکالا اور دریا میں پھینک دیا۔ آم گرنے کی آواز دیا کی لہروں کے ہٹکانے میں گم ہو گئی اور سکھ دیو کو پھر ایک بار دریا، پہاڑ چاند ستارے اپنے خلات سرگوشیاں کرتے اور قہقہے لگاتے نظر آنے لگے۔ اس کی رگوں میں خون کی رفتار سست پڑنے لگی۔ اچھوتوں کے لباس میں ستم رسیدہ انسانیت کی پکار پھر ایک بار اس کے ضمیر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ سکھ دیو نے محسوس کیا کہ ہندو سماج کے مقدس دیوتا جو پانی کی سطح پر چل کر اس کی مدد آئے تھے۔ پھر اپنے اپنے مندروں میں جا کر سو گئے تھے۔ اور وہ پھر ایک بار اکیلا چٹان پر کھڑا زمین و آسمان کا لامحدود دستوں میں فطرت کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کر رہا ہے۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور تصور میں دیکھا کہ بد نصیب قوم کے ہزاروں افراد اپنے سردار سمیت اس کے سامنے کھڑے ہیں اسے کنولی پھر ایک بار یہ کہتے ہوئے سنائی دی۔

"پتا جی کو ڈر تھا کہ آپ خفا ہو جائیں گے اس لیے آپ کو کھانے کی دعوت

دے سکے۔ انہوں نے خود بھی کچھ نہیں کھایا۔ میں روٹی نہیں لائی یہ آم ہیں... کھانے کی چیز کھا لینے میں کیا حرج ہے؟

سکھ دیو زندہ حال سا ہو کر چٹان پر بیٹھ گیا۔ اس نے اچانک محسوس کیا کہ وہ آم جسے وہ دریا میں پھینک چکا تھا۔ دوسرے کنارے پر جہاں سے دیوتاؤں کی مقدس زمین شروع ہوتی ہے، جا لگا ہے اور اس جگہ کی خاک میں نمونہ بخشنے والی تڑپ نے اسے ایک تناور درخت بنا دیا ہے۔ اور مقدس دیوتا اس کا میٹھا پھل کھا رہے ہیں۔ سکھ دیو کے دل سے تو بہات کا نقاب یکسر اٹھ گیا۔ اس نے اپنی جھولی سے دوسرا آم نکالا۔ اور دریا کی لہروں یا دیوتاؤں کی زمین کی بجائے اپنے بھوکے پیٹ کو اس کا زیادہ مقدار سمجھتے ہوئے کھانے لگا۔ بھوکے پیٹ نے اچھوت لڑکی کے اوتار آم کی مٹھاس اور نائے کی جی بھر کر داد دی۔ آم ختم کر کے سکھ دیو گٹھلی دریا میں پھینکنے لگا تھا کہ اچانک کسی خیال نے اس کا ہاتھ روک لیا اس نے گٹھلی اپنے قریب رکھ لی۔ تمام آم کھا چکنے کے بعد اس نے گٹھلیاں اور چھلکے وہاں سے اٹھائے اور واپس پہنچ کر اپنی چار پائی کے قریب ڈھیر کر ڈیے۔

سماج کا باغی

سورج مشرق کے اونچے اونچے پہاڑوں کے عقب سے نمودار ہوا۔ سکھ دیو نے انگڑائی لے کر آنکھیں کھولیں۔ سب سے پہلے اس کی نظر لوٹے سردار پر پڑی جو اس سے دو تین قدم کے فاصلے پر ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا چند آدمی نیچے گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گزشتہ تمام واقعات سجلی کی سہیلی کے ساتھ سکھ دیو کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سردار اٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے سکھ دیو کے پاؤں چھونے کی کوشش کی۔ سکھ دیو نے اس کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے ہٹا دیا اور چارپائی سے اتر کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اس ماحول کی تلخی کو ایک اداس مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "آپ مجھے زیادہ نادم نہ کریں۔"

سردار نے جواب دیا: "آپ کی عزت اور سیوا میرا فرض ہے۔"

"نہیں۔ میں آپ کا مجرم ہوں... ایک ایسا مجرم جو کسی حالت میں بھی آپ کے نیک سلوک کا حق دار نہیں۔"

"یہ نہ کہیے! آپ ہمارے دیوتا ہیں۔"

"کاش! میں دیوتا ہونے کی بجائے آپ جیسا انسان ہوتا۔"

سردار نے پریشان ہو کر سوال کیا: "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں درست کہہ رہا ہوں۔ میں دیوتا نہیں راجہ کی فوج کا ایک سپاہی ہوں۔"

میں جس اڑنے سے اس جگہ پہنچا تھا اگر وہ آپ کو معلوم ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ آپ اس قدر فیاضی سے کام نہ لیں۔ سنیے! اگر دریا کا طوفان مجھے بے بس بنا کر اس جگہ نہ لے آتا تو آج اس زمین پر آزادی کا سانفس لینے کی بجائے ایسے لوگوں کی قید میں ہوتے جن کے دل میں آپ کے لئے رحم کی کوئی گنہگار نہیں۔ آپ کے جھوٹے جلائیے جانتے اور آپ کی جراگاہوں پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ کیا اب بھی مجھے آپ ایک دیوتا سمجھتے ہیں؟"

سردار نے جواب دیا: "اگر آپ کو ان جھوٹوں اور جراگاہوں کی ہم سے زیادہ ضرورت ہو تو ہم خوشی سے انہیں چھوڑ کر کسی اور جگہ جانے کو تیار ہیں۔ اس وسیع زمین پر ایسی ہزاروں جراگاہیں تلاش کی جاسکتی ہیں اور لا کھوں جھوٹے بنائے جاسکتے ہیں۔ جنگ کیے بغیر بارمان لینے والوں سے جنگ کرنا عقلمندی نہیں سکھ دیو نے جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر کہا:

"بھگوان کے لیے مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں! میں آج سے پہلے شاید

ایک انسان کہلانے کا حق دار بھی نہ تھا۔ آپ نے مجھے وہ سبق دیا ہے جس کی ضرورت

شاید ہمارا سماج کئی صدیوں تک بھی محسوس نہیں کرے گا۔ آپ افسانہ نہیں دیتا

ہیں۔ میں آپ کا داس ہوں۔ یہ کہتے ہوئے سکھ دیو نے جھک کر لوٹے سردار کے

پاؤں چھونے کی کوشش کی لیکن اس نے سکھ دیو کو گلے لگا لیا۔ اچھوت کا چھوت

سے بچ گئے ہونا تھا کہ دونوں کے دلوں سے بیک وقت یہ آواز اٹھی کہ ہم اس دنیا

میں ایک دوسرے سے اس قدر بچانے اور اجنبی رہنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے

تھے ہمارا جد آئی غیر قطری بات تھی۔ سکھ دیو کو خود غرض انسانوں کا سماج ایک

تصنع، ایک دھوکا اور ایک فریب نظر آنے لگا۔ وہ ایک باغی تھا۔ اس راجہ اور

اس پرہت کا باغی جس کی خاطر اس نے ایک دن پہلے موت کے مزہ میں کودنے سے

دریغ نہ کیا تھا۔ اچھوتوں کے سردار کا ناپاک جسم جس پر اسے اپنی تلوار کی تیزی کو آزمانا تھا اسے اب انسانی برادری کا قابلِ نفرت نہیں بلکہ قابلِ رحم حصہ نظر آتا تھا۔

سردار نے کہا "یہاں دھوپ آگئی ہے۔ چلیے ان درختوں کے نیچے بیٹھیں" سکھ دیو، سردار کے ساتھ ہو گیا۔ سردار کے اشارے سے وہ آدمی چار پائیوں اٹھا کر سردار کے مکان کے قریب ایک ام کے درخت کے نیچے لے گئے۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا چشترہ تھا۔ سکھ دیو نے ایک پتھر پر بیٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور پھر سردار کے ساتھ ہو گیا۔ درخت کے نیچے پہنچ کر سردار اور سکھ دیو ایک دوسرے کے قریب چار پائیوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد کنول مٹی کا برتن اور ایک پیالہ اٹھائے آئی اور سردار کے سامنے رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کنول یہ کیا ہے؟" سردار نے حیران سا ہونے پر پوچھا۔

پتا جی! دودھ لانی ہوں۔ آج آپ نے ناشتہ نہیں کیا۔ یہ کہہ کر کنول نے معنی خیز نگاہوں سے سکھ دیو کی طرف دیکھا۔

سردار نے بھی سکھ دیو کی طرف دیکھا اور کہا:

"کنول رات بھی ضد کر رہی تھی کہ میں آپ کو کھانے کی دعوت دوں لیکن اس خیال سے کہ آپ ہمیں اچھوت سمجھتے ہوں گے میں نے جرات نہ کی اب یہ مجھ سے پوچھے بغیر دودھ لے آئی ہے اگر آپ اسے پینا اپنے دھرم کے خلاف سمجھیں تو میں ایک گائے یہاں منگوا دیتا ہوں۔ آپ پتوں کا دونابنا کر اپنے ہاتھوں سے گائے کا دودھ دو بہ لیں۔"

سکھ دیو نے کہا: "آپ کے ام کھانے کے بعد میرا دھرم مجھے یہ دودھ پینے سے منع نہیں کرتا۔ آپ کے ام بہت میٹھے تھے۔ مجھے یقین ہے یہ دودھ بھی کڑوا نہیں ہوگا۔"

کنول سے ام؟" سردار نے تعجب سے سوال کیا۔

"وہی جو آپ نے رات کے وقت بھیجے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں میں نے ایسے ام کبھی نہیں کھائے۔"

سردار کو اور زیادہ پریشان دیکھ کر کنول بولی "پتا جی! آپ سو گئے تھے میں انہیں ام سے آئی تھی میرا خیال تھا کہ یہ کھالیں گے۔"

سردار نے سکھ دیو کی طرف دیکھا اور کہا "اچھا یہ دودھ بھی حاضر ہے۔" سردار کے اشارے سے کنول نے دودھ کا کٹورا بھر کر سکھ دیو کو پیش کیا سکھ دیو کو پیاس بھی تھی اور بھوک بھی۔ آموں کی طرح اسے دودھ بھی پہلے سے زیادہ میٹھا اور لذیذ معلوم ہوا اس نے دو کٹوڑے اپنی مرضی سے پیئے اور تیسرا سردار کے اصرار پر۔

سکھ دیو کے بعد سردار نے دودھ پیا اور کنول برتن سے کراندر چلی گئی۔ سردار نے کہا "مجھے ڈرتا تھا کہ آپ مجھے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھائیں گے اس لیے میرا ارادہ تھا کہ آپ کو گل دریا کے پار پہنچا دوں۔ لیکن اب آپ کو چند دن اور یہاں رہنے پر مجبور کروں گا۔ آپ کو ہمارے پاس کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

سکھ دیو نے جواب دیا: "آپ کی دعوت کا شکریہ۔ لیکن اگر آپ مجھے یہاں رہنے کی دعوت نہ بھی دیتے تو بھی میں اتنی جلدی واپس جانے کا ارادہ نہ کرتا۔"

ہمارا قانون کسی دوسری قوم کے انسان کو اپنی چار دیواری کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی خود غرض سماج سے کنارہ کش ہو کر آپ کے پاس چلا آئے تو آپ شاید اسے واپس بھیج دینا گوارا نہیں کریں گے۔"

"ہم ایسے شخص کو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ اسے اس سرزمین کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا اتنا ہی حق ہوگا جتنا کہ ہمیں ہے۔"

سکھدیونے کہا "میرے لیے سماج کے درد ازلے بند ہو چکے ہیں۔"
سردار نے جواب دیا: "آپ ہمارے جھوٹے لوگوں کو بہت وسیع پائیں گے"

(۲۱)

چند دن اور اس معصوم ماحول میں رہنے کے بعد سکھ دیو محسوس کرنے لگا کہ وہ برسوں اس بستی میں رہ چکا ہے۔ زندگی کے گزشتہ پچیس برس جو وہ اونچی ذات والوں میں گزار چکا تھا اسے ایک خواب نظر آنے لگے۔ وہ ان لوگوں کے سہیل میں ایک ایسی مشعل کی روشنی دیکھ چکا تھا جو اس ملک کے آرمین فاتحین کی محفل سے صدیوں پیشتر بچھ چکی تھی۔ وہ اونچے ایرانیوں کو اس مشعل کی روشنی سے آشنا کرنا چاہتا تھا لیکن ان ایرانیوں میں سونے والے مہیب طوفانوں کا خوف ایسے ارادوں پر غالب رہا۔

سکھ دیو صبح شام بعض اوقات سردار کے ساتھ اور اکثر تنہا دریا پاروں کی طرف سیر کے لیے چلا جاتا اسے قدرت کا ہر منظر خود غرض انسانوں کے سماج پر مسکراتا ہوا نظر آتا۔ وہ واپس جا کر اونچی ذات والوں کو ایک نیا پیغام سنانے کے لیے بے قرار تھا لیکن کوئی زبردست کشش اسے چند دن اور پہاڑوں اور وادیوں میں گھومنے پر مجبور کر رہی تھی کسی کی معصوم نگاہیں اس کے دل کے خاموش تاروں کو جنبش دے کر ایک ایسا نغمہ پیدا کر رہی تھیں جس کے زیر و بم سے اسے قدرت کے تمام مناظر متاثر دکھائی دیتے تھے کسی کی جہا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ اسے خوابوں کی حسین دنیا کی طرف بلا رہی تھی کسی کی زبان کا ہر لفظ اس کے لیے ایک راگ بن رہا تھا۔

کنول اسے اس خستہ حال قوم کی بیٹی سے زیادہ اس خطرہ زمین پر قدرت کے حسین مناظر کا ایک جبر و معلوم ہوتی تھی لیکن سکھ دیو کو اس بات کا اعتراف گوارا نہ تھا کہ کنول کی طرف اس کا میلان اس کی جسمانی خوبیوں کی وجہ سے تھا۔ اس بات پر فخر تھا کہ وہ ظالم سماج کے خلاف بغاوت کر کے شور و روں کی عمت میں داخل ہو چکا ہے لیکن اپنے دل پر ایک اچھوت لڑکی کی منتح اس کے نزدیک ایک بدترین شکست کے مترادف تھی۔ وہ چاروں طرف سے ہار مان کر اپنے دل کو اتنا زہم ضرور دینا چاہتا تھا کہ کنول کے ساتھ اس کا لگاؤ محض رحم و انصاف کے ان مقدس جذبات کی پیداوار تھا جن کے ماتحت وہ فوج انسان کے ہر گز سے ہونے فرد کو اٹھانے کے لیے تیار تھا لیکن اچھوت قوم کی ایک حسین لڑکی کو ایک شمع تصور کر کے اس پر پروانہ وار فدا ہو جانا اس کے وقار کے منافی تھا۔ وہ کسی کے لیے شفقت کا ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسے اپنے لطف و کرم کا متمنی دیکھنے کا آرزو مند تھا لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے اس کا یہ وہم دور ہوتا گیا کہ حسن اور معصومیت کی یہ ملکہ اپنے غرور کا تاج اتار کر اس کے پاؤں پر رکھ دے گی۔

سکھ دیو کے ساتھ کنول کی ابتدائی دل چسپی ان نسوانی جذبات کی پیداوار تھی۔ جن کی بدولت نوجوان لڑکیاں کسی پر ایسی کے دکھ اور تکلیف کو اپنا دکھ اور اپنی تکلیف سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں لیکن جب سردار کی قوم کے سینکڑوں افراد سکھ دیو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے تو کنول قدرے تکلف سے کام لینے لگی ابتدا میں وہ سکھ دیو کی غریب الوطنی سے متاثر ہو کر اسے اپنی طرف سے دل جوئی کا حقدار سمجھتی تھی لیکن سکھ دیو کی اجنبیت دور ہوتے ہی اس کا مروانہ وقار اسے مسرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے منلوب کرنے لگا۔

سردار کی بیٹی اپنے باپ کی طرح بھٹکے ہوؤں کی قیادت اور گزے ہوؤں کی

اعانت اپنا فرض سمجھتی تھی لیکن اپنے دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے جسم کے لیے اسے کسی کے طاقتور ہاتھوں کا سہارا گوارا نہ تھا۔ کھد یو کی کیفیت وہ صورت پر نرس کھانے والی آنکھیں اپنے دل میں کر رہی تھیں۔ اسے طوفان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

(۱۳)

ایک شام سکھ دیو حسب معمول سیر کے لیے نکلا۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور سداون کی جھلکی ہوئی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے بارش کی آمد کا پیغام دے رہے تھے۔ سکھ دیو دریا کے کنارے ایک اونچی چٹان پر کھڑا ہو کر بہتے ہوئے پانی کا دلکش منظر دیکھنے لگا۔ دریا کی لہریں اس کی آنکھوں کے سامنے گردشِ وقتا دہرائے لگیں اور وہ گرد و پیش سے بے خبر سا ہو کر پھر ایک بار اپنی زندگی کا وہ حسین ترین لمحہ سنتے لگا جس کے الفاظ یہ تھے:

پتا جی کو ڈرتا کہ آپ خفا ہو جائیں گے... میں روٹی نہیں لانی... یہ آم ہیں... کھانے کی چیز کھا لینے میں کیا حرج ہے؟

اس کے بعد اسے کنول کے موجودہ طرز عمل کا خیال آیا اور اس نے محسوس کیا کہ فضا میں اداسی چھا رہی ہے اس نے اپنے دل میں کہا: میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ میرا یہاں کون ہے۔ کنول جیسی بھولی بھالی لڑکی میرے دل تک کیونکر پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اس کا کیا تصور؟ میں نے خود اپنے دل کا حال اس سے چھپا رکھا... اور اگر میں اس پر اپنے دل کی کیفیت ظاہر بھی کر دوں تو بوڑھا بڑا یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کی لاٹھی بھوٹا ایک اجنبی کے ساتھ منسوب ہو رہے

اس کے تمام احسانات کے بعد میں یہ جرات کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کے سامنے اتنے بڑے انعام کے لیے ہاتھ پھیلاؤں۔ وہ مجھے شرافت کا مجسمہ خیال کرتا ہے اور میری طرف سے ایسی کوئی حرکت یقیناً مجھے اس کی نظروں سے گرانے گی... نہیں! نہیں!! مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا لیکن میں اب کہاں جا سکتا ہوں۔ اپنے دلیں میں اب کھستری ہو کر رہنے کی میرے لیے کوئی جگہ نہیں۔ میں کہیں دور چلا جاؤں گا۔ ان اونچے پہاڑوں میں شاید کہیں مجھے سکون حاصل ہو سکے۔

اپنے دل میں اس قسم کے بڑا دل منسوبیے باز خفا ہوا سکھ دیو واپس چٹان سے نیچے اتر کر اس نے ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ اسے تھوڑی دیر لگا اس پر کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ شام کے دھندلکے میں وہ اسے پہچان نہ سکا لیکن قریب پہنچ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کنول منہ دوسری طرف کیے بیٹھی تھی اور زمین سے گھاس کے تنکے اکھاڑا کھا رہا تھا۔ ایک طرف پھینک رہی تھی۔ سکھ دیو کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ سکھ دیو نے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پا کر پوچھا:

کنول! اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟
کنول نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: یہاں میں نے آم کی گٹھلیاں بونی تھیں۔ برسات کی وجہ سے گھاس بہت زیادہ ہو گئی ہے میں اسے صاف کر رہی تھی۔

سکھ دیو نے نیچے دیکھا۔ آم کے چھوٹے چھوٹے پودوں کی کونسیلین زمین سے باہر پھوٹ نکلی تھیں۔

سکھ دیو نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں آموں کا بہت شوق ہے۔ تم

نے پہلے بھی کبھی آم بوائے ہیں؟

کنول نے جھکتے ہوئے جواب دیا: نہیں... یہ آم اس دن آپ نے ا کھائے تھے میں نے کٹھلیاں لاکر اس جگہ بوندیں۔ یہ تمام آگ آئی ہیں۔

کنول کے یہ سیدھے سادے الفاظ سکھاری کی توقع سے بہت زیادہ تھے اس کا دل جو ایک لمحہ پیشتر ایک تلخ احساس کے ماتحت بیٹھا جا رہا تھا خوشی سے اچھل پڑا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آہ بکھین بکھالیں جھکا لیں محبت کی پریاں آم کے پودوں کے درمیان رقص کر رہی تھیں۔ سکھاری پودوں کے قریب بیٹھ گیا اور ان کے گرد اگی ہوئی گھاس اکھاڑنے لگا۔ ان پودوں کی نرم و نازک کونپلوں میں اسے کنول کے دل کی سادگی اور رنگینی نظر آنے لگی۔ اسے اپنی محبت کا اعتراف کر لینے میں کوئی عذر نہ تھا۔

اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ سکھاری اور کنول بھاگ کر ایک درخت کے نیچے پہنچے اور ایک دوسرے سے ذرا ہٹ کے کھڑے ہو گئے لیکن جب بارش کا زور بڑھا اور ہوا کے تند جھونکے کے ساتھ آنے والے پھینٹوں کی وجہ سے کوئی جگہ محفوظ نہ رہی تو دونوں درخت کے ایک موٹے تنے کے نیچے سمٹ کر ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہو گئے۔

نیچ ذات کی کم مائیگی کے احساس سے بیگانہ اور اونچی ذات کے تقدیر سے بے نیاز دو دھڑکتے ہوئے دلوں کے درمیان اجنبیت کے تمام پرورے اٹھ چکے تھے۔

سکھاری نے کہا: کنول! تم نے وہ آم کیوں بوائے تھے؟

”آم آپ کو پسند نہیں؟“

”کیوں نہیں۔ تمہارے ہاتھ کے آم تو بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ ان آموں

کی مٹھاس میں اب تک محسوس کر رہا ہوں۔“

”آپ بھوکے تھے ورنہ ان آموں میں کوئی خاص خوبی نہ تھی۔“

سکھاری نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: ”کنول! میں تمہارے پاس کتنے

چند دن اور ہوں۔“

”چند دن؟ کنول نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں کنول! مجھے ڈر ہے کہ اگر میں زیادہ دن ادھر ٹھہرا تو آپ لوگ

اکٹا جائیں گے۔“

”اگر آپ اس خیال سے جانا چاہیں تو پتا جی آپ کو اجازت نہیں دیں گے

لیکن اگر آپ ہم سے اکتا کر جانا چاہیں تو آپ کو کون روک سکتا ہے۔ آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔“

لیکن اس سستی میں ایک وجود ایسا بھی ہے جو مجھے روک سکتا ہے اور جس

کا معمولی سا اشارہ میرے ارادوں کو توڑ سکتا ہے۔“

”وہ کون؟“

”تم نہیں جانتیں اسے؟“

”نہیں! اگر مجھے اس کا پتہ چل جائے تو میں خود اس کی منت کر دوں۔ کروہ

بہت آپ کے ارادے توڑتا ہے۔“

”کنول تمہیں معلوم نہیں وہ تمہی تو ہو

”میں

”ہاں تمہارا“

کے دل و دماغ میں چھپ کر اپنے کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے کام کر رہی تھی۔ اپنے من کے اُچھڑنے ہوئے مندر کو بسنانے کے لیے وہ سماج کے ان دیوتاؤں کی بجائے جو اسے اپنے اور کنول کے درمیان چھوت چھات اور لغزت و حقارت کی ایک دیوار کھینچنے کے مجرم نظر آتے تھے، کسی ایسے بھکوان کی زبردست طاقت کے تصور کو جگرتے رہا تھا جس نے اسے دریا میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ جس نے مصیبت کے وقت اس کے بدترین دشمن کو اس کا بہترین دوست بنا دیا تھا۔ جس نے ایک بھولی بھالی لڑکی کو مہمان نوازی کے عجیب و غریب انداز سکھا دیے تھے اور جس نے اسے اپنی زبردست طاقت سے مرعوب کر کے کنول کے ہاتھ سے آم کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ سکھ دیو یہ سمجھتا تھا کہ کنول اس دن جب کہ وہ بے حد مایوس تھا صرف اپنے ہاتھ کے یگانے توڑے پڑوسے دیکھنے کے لیے ہی نہیں آئی تھی بلکہ قدرت نے اس بہانے انہیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے اور سننے کا موقع دیا تھا اسے یقین تھا کہ ان کی روحیں ایک ساتھ رہنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور وہ طاقت جو اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ سب کچھ کر چکی ہے۔ عنقریب کوئی ایسا قدم اٹھائے گی جس سے کنول اور اس کے درمیان رہی سہی رسمی اور ظاہری دیواریں بھی ٹوٹ جائیں گی۔

اس قیدی کی طرح جو منصف کی نیک نیتی پر یقین اور اپنی معصومیت کے احساس کی بدولت عدالت میں پاب زنجیر کھڑا ہونے کے باوجود یہ سمجھ کر مسکرا رہا ہو کہ عدالت کا فیصلہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ سکھ دیو نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں میں دو مہینے گزار دیے۔

اس دوران میں اس نے سردار سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے لیے ایک علیحدہ جھونپڑی تعمیر کرنے کی اجازت دے لیکن سردار نے جواب دیا "آپ جیسے نر"

تو میں ایک بار نہیں ہزار بار کہتی ہوں کہ آپ دو جاہلین۔ پہلا جاہل آپ کا ایک ایسا بڑے کا پتی ہوتی آواز میں کہا "میں نہیں جاؤں گا کنول! میں نہیں جاؤں گا!" میں جا بھی کہاں سکتا ہوں؟ دونوں تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ تازہ کی بڑھ رہی تھی ہوا راک چکی تھی لیکن بارش کا زور پہلے سے بھی زیادہ تھا۔ کنول نے کہا "بارش شاید کم ذہن میں چلنا چاہیے۔ پناہی پریشان ہو گئے۔"

دونوں ایک ساتھ ہی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ بادل گر جاؤں کنول نے سہم کر سکھ دیو کا بازو تھام لیا۔

کنول نے سکھ دیو کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا "چند بار بجلی چکی لیکن سکھ دیو اور کنول بجلی کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرنے کی بجائے ہر بار ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کی کوشش کرتے مکان سے تھوڑی دور کنول رک گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا: "آپ یہیں ٹھہریں۔ میں پہلے اندر چلی جاؤں۔ آپ تھوڑی دیر بعد آئیں۔"

(۲۱)

سکھ دیو گذشتہ واقعات کو ایک عمدہ سمجھتا تھا لیکن کنول سے تمنا ہی نہیں اس غیر متوقع ملاقات کے بعد اسے یہ تمام واقعات ایک دوسرے سے اس قدر مربوط نظر آنے لگے کہ وہ کسی ایسی نامعلوم طاقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوا اور اس

کے لیے میرا گھر بہت وسیع ہے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے پچھلی عمر میں ایک جوان بیٹا مل گیا ہے۔ سکھدیو نے سردار کے اس انکار کو بھی اس طاقت کی منشا کے مطابق سمجھا اور سردار کے مکان میں ایک کمرے کو گوشہ بہت سمجھنے لگا۔

اس بستی میں صرف سردار کا مکان ایسا تھا جس کی دیواریں پتھر اور چھت لکڑی کی تھی۔ باقی تمام لوگ سرکنڈے کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔

رات کے وقت عام طور پر سکھدیو کی چار پانی صحن سے باہر کھلی ہوا میں پچھا دی جاتی۔ لیکن بارش کے وقت وہ اپنے کمرے میں سوتا۔ اس کمرے کی آرائش کے لیے چھت اور تپچھ کی کھالیں پچھا دی گئی تھیں۔ دیوار کے ساتھ ایک تلوار بھی لگی ہوئی تھی جو سکھدیو نے اپنے خیال کے مطابق ہمیشہ کے لیے اتار کر ہینک دی تھی۔ لیکن کنول نے ایک قابلِ قدر چیز سمجھ کر اس جگہ رکھ دی تھی۔

سزا

بھادوں گزرتے ہی موسم میں تبدیلی ہونے لگی اور یہ لوگ کھلی ہوا میں سونے کی بجائے اندر سونے لگے۔ سکھدیو جن کمرے میں سوتا تھا اس کے برابر والا کمرہ سردار کا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد کبھی سردار سکھدیو کو اپنے کمرے میں بلا لیتا اور کبھی وہ اور کنول سکھدیو کے کمرے میں آکر بیٹھ جاتے۔ سردار اپنے عہد جوانی کے سیر و شکار کی دلچسپ داستانیں سناتا اور سکھدیو یا تو راجوں راجوں کی لڑائیوں کے واقعات بیان کرتا اور یا نیچے ذات لوگوں سے سماج کے مظالم کا گلہ کرتا۔

جب یہ دلچسپ محفلیں برخاست ہوتیں اور سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تو سکھدیو بستر پر لیٹ کر برابر کی کوٹھڑی میں کروٹیں لینے والی عجوبہ سے تصور میں باتیں کرتا ہوا سو جاتا۔ علی الصبح وہ بیدار ہوتے ہی گاؤں سے کچھ دور ایک جھیل کی طرف چلا جاتا۔ اور جھیل کے ٹھنڈے اور شفاف پانی میں نہانے کے بعد کنول کے بڑے بڑے پھول توڑ لاتا۔

ایک صبح کنول حسبِ معمول دو دوھ کا کٹورالے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ سکھدیو اس کی آمد سے بے خبر کنول کے ایک پھول کو اپنے ہونٹوں سے لگا کر اس کی مہک اور ٹھنڈک کا اثر محسوس کر رہا تھا۔

کنول تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد پیالہ آگے بڑھاتے ہوئے بولی :-

بیجھے! سکھدیوں نے چونک کر پھول نیچے پھینک دیا اور کنول کے ہاتھوں سے دودھ کا پیالے لے کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

کنول نے اپنے ہونٹوں پر ایک دل فریب مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔
"آپ کو یہ پھول بہت پسند ہیں؟"

"ہاں! لیکن اگر ان کا نام کنول نہ ہوتا تو شاید مجھے اس قدر پسند نہ ہوتے۔"
کنول نے جیا اور احسان مندی سے آنکھیں جھکا لیں۔ سکھدیوں نے کنول کے چہرے میں ایسی جاذبیت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

اس نے کہا: "کنول! میں سچ کہتا ہوں تم ان پھولوں سے کہیں زیادہ...!"
سکھدیو ابھی اپنا فقرہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ کنول نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر برابر لے کزنے کی طرف اشارہ کیا۔

وفا بھی تک بیہوش ہیں؟
کنول نے جواب دیا: "ہاں!"

"اچھا تو میں اب سستے سے کہتا ہوں کہ تم ان پھولوں سے زیادہ حسین ہو۔"
کنول لہجہ کر بولی: "آپ دودھ پی لیں۔"

"بہت اچھا۔" سکھدیوں نے دودھ کا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگایا ہی تھا کہ مکان سے باہر لوگوں کی چیخ پکار سنائی دی۔

کنول وحشت زدہ ہو کر بولی: "شاید باہر لڑائی ہو رہی ہے؟"
سکھدیوں نے متعجب ہو کر کہا: "لڑائی؟ انہیں یہ لڑائی نہیں۔ مجھے چاروں طرف سے چیخ پکار کی آواز آرہی ہے۔ شاید وہ آپہنچے۔"

کون؟

اسماج کے ہنساؤ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے سکھدیوں نے تلوار اٹھائی

لیکن ابھی کرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ چند آدمی بھاگتے اور چیخیں مارتے ہوئے صحن میں داخل ہوئے تمام ایک آواز میں یہ کہہ رہے تھے: "وہ آگے! وہ آگے! وہ آگے! وہ آگے!"
مار ڈالا۔ سردار کہاں ہے؟

سکھدیوں نے چند بار ان سے یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ کیا ہوا۔ کون آگے لیکن اسے ہر بار یہی جواب ملا کہ وہ آگے۔ انہوں نے بستی پر حملہ کر دیا ہے۔

سکھدیوں نے بھاگ کر باہر نکلنا چاہا لیکن ایک نوجوان نے اس کا بازو تھام لیا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا: "مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔"

نوجوان نے کہا: "نہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ موت کے منہ میں نہ جاییے وہ کسی کو نہیں چھوڑتے۔"

لتنے میں سردار آنکھیں ملتا ہوا اپنے کرے سے باہر نکلا اور اس نے گہرا کر پوچھا: "کیا ہوا؟"

ایک شخص بولا: "انہوں نے رات کے وقت دریا عبور کر لیا۔ وہ اچانک حملہ کر کے آس پاس کی تمام بستیاں ویران کر چکے ہیں۔ ان کے بہت سے سپاہی ہماری بستی میں بھی گھس آئے ہیں اور جڑ سمنے آتا ہے اسے بے دریغ قتل کر دیتے ہیں۔ بہت سی بھونپڑیوں میں انہوں نے آگ لگا دی ہے اب مقابلے کا وقت نہیں ہمیں ادھر ادھر بھاگ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔"

سردار نے سکھدیوں کی طرف دیکھا اس نے کہا: "آپ سب یہیں ٹھہریں میں جاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں انہیں روک سکوں گا۔"

لتنے میں چند آدمی بھاگتے ہوئے صحن میں داخل ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ راجہ کے سپاہی اسی طرف آ رہے ہیں۔

سروار کے اٹھنے سے فوجوں نے سکھدی کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا
اور وہ بھاگ نکلا۔

(۲)

دو درندہ کی جھونپڑیوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور لوگ وحشت زدہ ہو کر ادھر ادھر
بھاگ رہے تھے۔ اگر کرائچ پہاڑوں کی طرف تھا اور بعض ابھی تک اپنے بوٹے سے سزا
کو اپنی سب سے بڑی پناہ خیال کر کے اس کے گھر کرائچ کر رہے تھے۔ پیدل
سپاہیوں کی ایک ٹولی ایک سوار کی قیادت میں مار دھاڑ کرتی ہوئی سروار کے
مکان کی طرف آرہی تھی۔ سکھدی بھاگ کر ان کے قریب پہنچا۔ سپاہیوں نے اپنے
پرانے سپہ سالار کی طرف دیکھا اور ٹٹک کر رہ گئے۔ اس ٹولی کا فوجوں سالار بھی
سکھدی کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور سینا پتی! سینا پتی!! کہتا ہوا سکھدی
کے پاؤں پر گر پڑا۔ سکھدی نے اسے اٹھا کر گلے لگایا۔ یہ رام داس تھا۔
وہ بھگوان کا شکر ہے کہ آپ سلامت ہیں کہیئے آپ کے ساتھ کیا بیٹی؟
سکھدی نے کہا "یہ باتوں کا وقت نہیں۔ تم فوراً گھوڑے پر سوار ہو جاؤ
اور فوج کو قتل و غارت بند کرنے کا حکم دو۔"

لیکن....!

لیکن کیا؟.... میں تمہیں حکم دیتا ہوں!

"آپ کا حکم سزا گھوڑوں پر لیکن سینا پتی گنگارام ہے اور اس کا حکم ہے
کہ کسی کو زندہ بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے۔"
"میں تمہیں حکم دیتا ہوں!! سکھدی نے اپنی آواز کو زیادہ مزہزبانانہ

ہوئے کہا۔

سابق سپہ سالار کی غضب ناک نگاہوں نے رام داس کے دل میں اطمینان
کا پرا نا جذبہ بیدار کر دیا وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور ان کی آن میں جھونپڑیوں
کے پیچھے غائب ہو گیا۔

سکھدی نے باقی سپاہیوں کو بھی حکم دیا کہ وہ ادھر ادھر بھاگ کر تمام لشکر
کو قتل و غارت بند کر دینے کا حکم پہنچادیں۔ سپاہی بغیر کسی حیل و حجت کے ہاں سے
بھاگے اور چاروں طرف چھائے ہوئے لشکر کے افسروں اور سپاہیوں کو سکھدی
کا پیغام پہنچانے لگے۔

اس بستی کے دوسرے کونے میں گنگارام ایک بلند ٹیلے پر اپنے سفید
گھوڑے کی نگام تھامے اپنی سپاہیانہ زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ دیکھ رہا
تھا۔ آٹھ دس سوار اپنے سپہ سالار کی حفاظت کے لیے کھڑے نہتوں کو سماج
کے بہادروں کی خون آشام تلواروں کے سامنے بدحواس ہو کر بھاگتے اور زخمی ہو کر
گرتے اور تڑپتے دیکھ کر اپنے جنگی دیوتاؤں کی شان دار منج کے نعرے لگاتے
تھے۔ اچانک رام داس سر پیٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا نمودار ہوا۔ گنگارام کو اس کا میران
سے اس طرح دلچسپ نظر آئی۔ رام داس نے اس کے قریب پہنچ
کر گھوڑا روکا اور کہا:

"ہمارا ج! سینا پتی مل گئے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ ہم ان لوگوں کا تعاقب
نہ کریں اور قتل و غارت سے اپنے ہاتھ روک لیں۔"

"کو نسا سینا پتی یہ حکم دیتا ہے؟ سینا پتی میں ہوں رام داس! تمہارے
حواس تو درست ہیں؟"

"میرے حواس درست ہیں ہمارا ج! میں نے ابھی ابھی سینا پتی سکھدی کو

ماں کے حوالے کی اور جلدی سے تلوار اٹھا کر گنگارام کے سامنے جا کھڑا ہوا اس نے کہا: گنگارام اتم بزدل بھی ہو اور کیلئے بھی ایسے آزد گے یا میں بھی گھوڑے پر سوار نہ ہواؤں؟

گنگارام یہ سنتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار سونت کر سکھدیو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند افسروں نے مداخلت کی کہ شمش کی لکین گنگارام نے کہا: یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے سپاہی ادھر ادھر سہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سکھدیو کی زنگ آؤ تو تلوار گنگارام کی چمکتی ہوئی تلوار سے ٹکرانے لگی۔ سپاہیوں کی اکثریت گنگارام سے متعجب تھی لیکن اچھوت بچے کی اپو تر لاش کو باغی لگانے کے بعد انہیں سکھدیو بھی نیک سناؤک کا مستحق نظر نہیں آتا تھا۔ بگڑوہ یہاں تک محسوس کر رہے تھے کہ سکھدیو نے سماج کی جو ذہن کی سے اس کی سزا سے مل کر بسے گی اور سماج کے دیوتا سے زک پہنچانے کے لیے گنگارام کی مدد کریں گے۔

کنول اپنے باپ کے قریب کھڑی تھی اور وہ اسے سمجھیں بنا کیے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ آسمان اور زمین کی تمام طاقتوں کو سکھدیو کی مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

گنگارام کے چند دار روکنے اور ان کا جواب دینے کے بعد سکھدیو نے ایک پر زور حملہ کر کے گنگارام کو پیچھے دھکیلنا شروع کیا۔ پیچھے ہٹتے وقت گنگارام کا پاؤں گھاس پر سے پھسلنا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود پیٹھ کے بل گر پڑا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا، سکھدیو کی تلوار کی نوک اس کے سینے پر تھی۔ گنگارام انتہائی بے کسی کی حالت میں اپنے حریف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سکھدیو نے تلوار پیچھے ہٹائی اور کہا:

گنگارام نے غصے سے بے قابو ہو کر سکھدیو کی طرف دیکھا اور کہا: سکھدیو! مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم ابھی تک زندہ ہو اور ایک سپاہی کی حیثیت میں اس فوج کے پرانے سینا پتی کی تعلیم بھی مجھ پر فرض ہے لیکن اس وقت اس فوج کا سینا پتی میں ہوں۔ تم اس وقت میرے سپاہیوں کو بہا کر راجہ اور سماج کے خلاف کھلی بغاوت کا ثبوت دے رہے ہو۔ تم خود اپنا فرض پورا نہ کر سکتے اور اب ذاتی دشمنی کی بنا پر یہ نہیں چاہتے کہ اس کامیابی کا سہرا میرے سر ہو۔ سکھدیو نے سپاہیوں کی قریح کے خلاف کچھ کہے بغیر بد نصیب عورت کی گود سے بچے کی لاش چھین لی اور گنگارام کو پیش کرتے ہوئے کہا:

یہ لو اپنی کامیابی کا تحفہ اپنی فتح کا سب سے بڑا انعام اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کے خون سے اپنے راجہ اور اپنے سماج کے شان دار کارناموں کی تاریخ لکھو تاکہ تمہاری آنے والی نسلیں یہ دیکھیں کہ ان کے آباؤ اجداد بیڑوں اور تلواروں کے استعمال سے واقف نہ تھے۔

گنگارام چلایا: میرا راجہ! میرا سماج! گویا تمہارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور تم گوشت کے اس ناپاک گوشت کے گواٹھا کر ہمارے سامنے اپنا دھرم بھر شٹ کر رہے ہو!

یہ معصوم جسم تم سے زیادہ پوتر ہے۔ گنگارام نے دانت پیستے ہوئے کہا: سکھدیو! تم چند الی ہو اس کتیا تم پر جاؤ کر دیا ہے۔ سکھدیو اپنے سے زیادہ ایک زخم خوردہ ماں کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ گنگارام کے ان الفاظ نے اس کی مردہ رگوں میں ایک نئی زندگی اور اس کے مجید خون میں ایک غیر معمولی حرارت پیدا کر دی۔ اس نے فوراً مڑ کر بچے کی لاش اس کی

اٹھیے سیننا پتی جی! میری تلوار گرسے ہوئے دشمن پر وار کرنے کی ٹاپی
ہیں۔"

گنگارام پر ان الفاظ نے جادو کا سا اثر کیا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہی زندگی
اور موت سے بے پروا ہو کر سکھ دیو پر پنے درپے وار شروع کر دیئے۔ سکھ دیو
نے چند وار اپنی تلوار پر روکنے کے بعد پھر ایک زوردار حملہ کیا لیکن اس دفعہ اس
کی تلوار پوری طاقت کے ساتھ گنگارام کی ڈھال کے ساتھ ٹکرائی اور اس کا تقریباً
نصف حصہ ٹوٹ کر نیچے آگرا۔ گنگارام نے بہادروں کی رسومات جنگ کو خاطر
میں نہ لاتے ہوئے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور
سکھ دیو پر پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور تیزی سے وار کرنے لگا۔ تلوار کے
بچے کچھ حصے کے ساتھ سکھ دیو اب صرف گنگارام کے وار روکنے اور دھرم
ہٹ کر اپنا بچاؤ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس حالت میں سکھ دیو کے بازو پر چند معمولی
سے زخم آ گئے۔ رام داس نے جب اس کے بازو سے خون بہتا دیکھا تو سکھ دیو کے
ساتھ پرانی محبت نے جوش مارا اور اس نے تلوار کھینچ لی لیکن اس کے میدان میں
آنے سے پہلے سادون بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ بلند کر کے "ٹھہرو! ٹھہرو!"
کہتا ہوا سکھ دیو اور گنگارام کے درمیان حائل ہو گیا۔ چشم زدن میں گنگارام کی تلوار
سروار کی کھوپڑی کو چرتی ہوئی سینے تک نکل گئی اور وہ لوٹ کھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ زخم
کی شدت نے اسے زیادہ دیر ترپنے بھی دیا۔ سکھ دیو نے ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر
پھینک دی اور جھک کر بوڑھے سروار کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا
اور اس پر اپنی پیشانی رکھتے ہوئے کہا:

"میرے عسکر امیر سے پتا! تم ہمارے درمیان کیوں کود پڑے؟"

سکھ دیو کے اور الفاظ نے سادونوں کو اور بھی مدول کر دیا اور وہ سرت

داستجاب کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ گنگارام جو بدستور اپنے
ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا تھا بولا:

"اس پر دیوتاؤں کی لعنت ہو۔ یہ ایک اچھوت کو پتیا جی کتا ہے۔ سپاہیو!
یہ سماج کا باغی ہے اسے گرفتار کر لو!"

سپاہی گنگارام کا یہ حکم سن کر پھر ایک دوسرے کا منہ تنکے تنکے دیکھنے لگے۔
گنگارام نے پھر گرج کر کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو گرفتار کیوں نہیں کرتے؟"
یہ کہتے ہوئے گنگارام نے اپنے چند خاص آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ لگے
بڑھ کر سکھ دیو کے ہاتھ ایک مضبوط رسی سے باندھنے لگے۔ سکھ دیو نے ان کی
توقع کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کی۔ گنگارام کے تیمور دیکھ کر رام داس بھی اپنی
جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔

کنول، جس پر اس کے باپ کی موت نے تھوڑی دیر کے لیے سکتہ طاری
کر دیا تھا اچانک آگے بڑھی۔ اس نے سجلی کی سی تیزی کے ساتھ سکھ دیو کی ٹوٹی
ہوئی تلوار زمین پر سے اٹھائی اور گنگارام پر حملہ کر دیا۔ ایک سپاہی نے عین موقع
پر خبردار ہو کر اپنی تلوار آگے بڑھا دی اور کنول کا وار روکنے کی کوشش کی لیکن
وہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا اور گنگارام کے بازو پر زخم آ گیا۔ دوسرے سپاہی
نے جھپٹ کر کنول کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔

سکھ دیو کی تمام توجہ سروار کی لاش کی طرف تھی۔ جب اس نے اچانک نگاہ
اوپر اٹھائی۔ کنول دو سپاہیوں کی گرفت میں جدوجہد کر رہی تھی۔ سکھ دیو کے منہ
سے بے اختیار "کنول" کا لفظ نکل گیا اس کے ساتھ ہی اس نے گنگارام کی طرف
دیکھا اور کہا: "اس دیوی کو چھوڑ دو اور مجھے جہاں تمہارا جی چاہے لے چلو۔"

گنگارام نے جواب دیا: "تم جھوٹے کہو۔ یہ تو افسانہ ہے۔"

اور پیری مجسم ہے اس کا فیصلہ میری مرضی سے ہو گا۔ یہاں تک کہ اس کا فیصلہ ہو گیا۔
 تمہاری مجسم؟

گنگارام نے اپنے بازو کا زخم دکھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ دیکھو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ میرے مجسم کے ساتھ تمہیں بھی گہری دلچسپی ہے اور تم اس کا نام بھی جانتے ہو اور شاید اسی کا دل خوش کرنے کے لیے اس دلیل کہتے ہو پتا ہی کہہ بیٹھے تھے۔" سکھدیو کی غیرت نے پھر ایک بار جوش مارا اور اس نے سپاہیوں کو ادھر ادھر دھکیل کر اپنے ہاتھوں کو رسیوں کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن گنگارام نے تلوار کی نوک کنول کے سینے کی طرف کرتے ہوئے کہا "اگر تم نے معمولی سی حرکت بھی کی تو تمہاری کنول کی خیر نہیں" سکھدیو اس دھمکی کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔

ایک دن تین کشتیاں دریا سے بائیں عبور کر رہی تھیں ایک کشتی میں گنگارام رام داس اور فوج کے چند سپاہی تھے۔ دوسری کشتی میں سکھدیو اور کنول کے علاوہ چند بہرے دار تھے اور تیسری کشتی میں چند گھوڑے تھے۔ سماج کے باغیوں کے سردار کے قتل کے بعد گنگارام کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ وہ دوبارہ منظم صورت میں واپس ہو کر مزاحمت نہیں کریں گے۔ تاہم اس نے احتیاطاً چند افسروں اور سپاہیوں کے سوا باقی فوج کو وہیں چھوڑا اور اس کی کمان اپنے جہانی سے رام کے سپرد کر دی۔ فوج کے بعض افسر اس کے واپس جانے پر خوش نہ تھے لیکن گنگارام کی ریشخ سکھدیو پر آخری ریشخ کے مقابلے میں بیخ نظر آتی تھی۔ وہ راجہ کو اپنی زبان سے فوج کی خوش خبری سننا چاہتا تھا اور اپنی آنکھوں سے راجہ کے دربار میں اس شخص

کو ذلیل ہوتا دیکھنے کے لیے اپنے قراہ تھا جو پروہت کے برابر بیٹھا کرتا تھا اور جس کی موجودگی میں وہ راجہ کے دربار میں صرف فوج کے ایک معمولی افسر کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔ دربار میں سکھدیو کا مقدمہ پیش کرنے کے لیے اسے فوج کے کسی افسر یا سپاہی پر اعتبار نہ تھا۔

کشتیاں دریا سے بائیں کے شفاف پانی کی ہلکی ہلکی لہروں پر تھیں کئی ہوئی کناٹے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سکھدیو اور کنول ایک دوسرے کے قریب کھڑے دوسرے کناٹے کی طرف ٹکلی بانڈھ کر دیکھ رہے تھے۔ سکھدیو نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کنول کی طرف دیکھا اور کہا "کنول! یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے پتا کی موت کا اتنا غم نہ تھا، جتنا تمہارے پتا کی موت کا ہے۔"

اس کے جواب میں کنول کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے ابل پڑے۔ دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اچانک کنول نے دل میں ایک خیال آیا اور وہ بولی: میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ سکھدیو نے پوچھا: کیا؟

کنول نے کہا "آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ اسے چھوڑ دو اور مجھے جہاں بھی چاہے لے جاؤ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک اچھوت لڑکی مصیبت کے وقت آپ کا ساتھ دینے کے قابل نہیں؟"

"میرے لیے تم اچھوت نہیں کنول! لیکن خود کو ڈوبتا دیکھ کر میں تمہیں اپنے ساتھ طوفان کی تھیل لہروں کی طرف گھسیٹنا نہیں چاہتا۔ میں تمہاری جہاں کی قیمت ہزاروں جانوں سے زیادہ سمجھتا ہوں۔"

کنول نے پھر اسی منگوم بچے میں کہا "آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ میں آپ کے ساتھ مرنے کو آپ سے جدا ہو کر زندہ رہنے پر ہزار بار ترجیح دیتی ہوں۔"

کشتیاں کنا سے پر آگئیں سکھ دیو اور کنول سپاہیوں کی حراست میں کشتی سے اترے۔

گنگا رام نے کہا "سکھ دیو! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں راجہ کے دربار میں ایک عام قیدی کی طرح رسیوں میں جکڑ کر لے جاؤں۔ یہ صرف تمہاری توہین نہیں بلکہ سماج کی توہین ہوگی۔ اس لیے اگر تم وعدہ کرو کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں ابھی کھلوا دیتا ہوں اور تمہیں تمہاری شان کے شایاں گھوڑا بھی دیا جائے گا۔"

سکھ دیو نے جواب دیا "یہ وعدہ میں اس صورت میں کر سکتا ہوں کہ تم اس لڑکی کے ہاتھ بھی کھلوا دو اور اسے بھی سواری بیٹے کا وعدہ کرو۔"

تمہاری پہلی شرط مجھے منظور ہے۔ اس لڑکی کی رسیاں کھول دی جائیں گی لیکن اچھوت لڑکی کو راجہ کی فوج کا گھوڑا نہیں دیا جاسکتا۔ تمہاری نظروں میں اس لڑکی کی عزت کتنی ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم ایک اچھوت کو اچھوت سے بڑا درجہ نہیں دے سکتے۔"

سکھ دیو نے کہا: "اس صورت میں مجھے یہ اجازت دیجئے کہ میں اپنا گھوڑا اسے پیش کر سکوں۔"

"میں یہ بھی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تو میں پیدل چلوں گا۔"

"بہت اچھا۔ تو آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ بھاگنے کی کوشش نہیں

کریں گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اچھا تو میں آپ کے ہاتھ کھلوائے دیتا ہوں۔" گنگا رام نے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اور انہوں نے سکھ دیو اور کنول کے ہاتھ کھول دیئے۔

تھوڑی دیر بعد یہ مختصر سا قافلہ وریاٹے بائیس کے جنوب میں ایک زرخیز میدان سے گزر رہا تھا۔ چند کوس چلنے کے بعد سکھ دیو نے کنول سے کہا "تم تھک گئی ہو گی؟"

کنول نے جواب دیا "نہیں آپ کے ساتھ چلتے ہوئے مجھے تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔"

دوپہر کے وقت یہ قافلہ ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچا۔ رام داس کے اصرار پر وہاں سے کنول کے لیے ایک بیل گاڑی مہیا کی گئی اور سکھ دیو کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے رضامند کر لیا گیا۔

شام کے وقت یہ لوگ اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ رات کے وقت شاہی محلات سے لے کر غلام کے جھونپڑوں تک ہر گھر میں گنگا رام کی شاندار فتح اور باغیوں کے سردار کی خوبصورت لڑکی کے ساتھ سکھ دیو کے عشق کا چرچا ہو رہا تھا۔ راجہ اور پرجا کو گنگا رام کی مستح کی خوشی سے زیادہ سکھ دیو کے حشرناک انجام کا افسوس تھا۔

پروہت کے اصرار پر راجہ نے سکھ دیو اور کنول کو رات بھر قید میں رکھنے کا حکم دے دیا۔

اگلے دن سکھ دیو راجہ کے دربار میں سر جھکاتے کھڑا تھا وہ اپنے خیال کے مطابق خود کو بے گناہ ثابت کر چکا تھا۔ وہ بار بار کہہ چکا تھا کہ انسان کے بطن سے نکلا ہوا قانون جس نے کوڑوں انسانوں کے فطری حقوق سلب کر رکھے ہوں۔ مذہب کہلانے کا مستحق نہیں لیکن اس کی قیمت کا فیصلہ کرنے والوں کے نزدیک اس کے خیالات باغیانہ تھے۔ اس نے گنگارام کے الزامات کی تردید میں ایک لفظ تک نہ کہا اور سارا وقت سماج کے ان دشمنوں کی وکالت کرتا رہا۔ جن کے متعلق سماج کے قانون میں رحم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

راجہ کو ایک طرف سکھ دیو اور اس کے آباؤ اجداد کی خدمات کا لحاظ اور دوسری طرف پروہت اور برہمنوں کے بگڑ جانے کا خوف تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ دیوتا بھی ناراض نہ ہوں اور سکھ دیو کی جان بھی بچ جائے لیکن سکھ دیو اپنی تباہی کا سامان خود پیدا کر رہا تھا۔ اس کا یہ کہنا کہ ایک برہمن اور ایک عام انسان میں کوئی فرق نہیں۔ ایسی بات تھی جسے سن کر درباریوں کی اکثریت اس کے خلاف ہو گئی تھی اور وہ اپنے یہ الفاظ واپس لینے کی بجائے ان کی تائید میں کئی ایسے دلائل پیش کر چکا تھا جس سے اس کے بہترین دوستوں کو بھی ریشہ ہو گیا تھا کہ سکھ دیو ایک اچھوت لڑکی پر زلفیتہ ہو کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔

راجہ بعض اوقات سکھ دیو کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے حق میں کچھ کہنے کا ارادہ کرتا لیکن پروہت کے تیور دیکھ کر اسے حوصلہ نہ پڑتا۔

سکھ دیو کو بھی معلوم تھا کہ اس معاملہ میں پروہت کے سامنے راجہ بے بس ہے اور مقدمہ کا فیصلہ سناتے وقت اس کے منہ سے وہی الفاظ نکلیں گے۔ جو

پروہت کے سفاک چہرے پر نقش تھے۔ راجہ کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ فقط تباہی بے رحم نہیں لیکن پروہت کے متعلق اسے یقین تھا کہ اس کا دل پتھر کی موتیوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔

دو پہر تک راجہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ پروہت کو خیال پیدا ہوا کہ شاید راجہ سکھ دیو سے ذاتی ہمدردی کی بنا پر اسے سزا دینے سے کتراتا ہے اس نے کہا: "ہمارا ج! مجرم جو کچھ کہہ سکتا تھا کہہ چکا اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس کا جرم قابل سزا ہے یا نہیں اور اس بات کا فیصلہ ہماری مرضی سے نہیں ہو گا بلکہ ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ سماج کا قانون ایسے مجرم کے لیے کیا سزا تجویز کرتا ہے راجہ کی عدالت میں مجرم کو یہ موقع مل سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرے لیکن یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنے گناہوں کو جائز ثابت کرے۔ ہمارا ج! یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مجرم نے ایک طرف تو ایک نیچ ذات لڑکی کے ساتھ پریم کر کے ہندو دھرم کو ذلیل کیا اور دوسرے حکومت کے باغیوں کی حمایت میں ہمارا ج کے سینا پتی کے ساتھ لڑائی کی۔ ہمارا ج! مجھے ڈر ہے کہ اگر اس شخص کے ساتھ ذرہ برابر بھی رعایت کی گئی تو اس قسم کے ہزاروں من چلے نوجوان سماج کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

راجہ پروہت کے فیصلہ کن الفاظ سن کر دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "مقدمے کا فیصلہ آج شام کو سنایا جائے گا۔ مجرم کو قید خانہ میں لے جاؤ۔"

سپاہی سکھ دیو کو قید خانے کی طرف لے گئے۔ راجہ نے پروہت۔ گنگارام اور چندا درباریوں کے سوا باقی سب کو نصرت کیا اور ان کے ساتھ مقدمے کے فیصلے کے متعلق مشورہ کرنے لگا۔

(۵)

شام کے وقت شاہی محل سے باہر عورتوں اور مردوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ سکھ یوگتلی تلواروں کے پیرے میں لوگوں کے ہجوم میں سے گزرتا ہوا شاہی دربار میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نگاہ راجہ پر پڑی۔ راجہ نے اس کی نگاہ کی تاب نہ لاکر پروہت کی طرف دیکھا اور گردن جھکائی۔ سکھ یوگ نے راجہ کے دوسرے مشیروں کی طرف دیکھا اور وہ بھی پروہت کی طرف دیکھنے لگے۔

گنگاراہ اور پروہت کے سوا باقی سب کے دل دھڑک رہے تھے پروہت نے کہا: ہمارا راج! ملزم مقدمے کا فیصلہ سننے کے لیے منتظر کھڑا ہے۔

راجہ نے چونک کر پروہت کی طرف دیکھا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نہایت مغموں لہجے میں جواب دیا: مقدمے کا فیصلہ آپ سنا دیں اور پھر اسی طرح آنکھیں نیچی کر لیں۔

پروہت نے سکھ یوگ کی طرف دیکھا اور کہا: سکھ یو! ہمارا راج نے اپنی شان و فیاضی سے کام لیتے ہوئے تمہارے بغاوت کے جرم کو معاف کر دیا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ سماج کی توہین کے جرم میں تمہیں موت کی سزا دی جاتی ہے۔ کل کالی دیوی کے مندر میں تمہارا بلیداہی دیا جائے گا۔

موت کا حکم سننے کے بعد سکھ یوگ نے پھر ایک بار حاضرین دربار کی طرف دیکھا کسی نے اس کے ساتھ آنکھیں ملانے کی جرأت نہ کی۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز اٹھی کہ تو مجرم نہیں۔ مجرم یہ لوگ ہیں جن کی گردنیں مذمت کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہیں تو ان بد نصیب لوگوں میں سے نہیں جو دنیا میں کوئی نقش چھوڑے بغیر فنا ہو جاتے ہیں۔ تمہارے خون کے چھینٹوں سے باغ ہستی

کے ہزاروں مرنے ہوئے پورے پھیلے پھولیں گے۔

ضمیر کی اس آواز نے سکھ یوگ کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پیدا کر دی لیکن اچانک اسے کنول کا خیال آیا اور یہ مسکراہٹ فنا ہو گئی۔ اسی دل کی دوسری آواز یہ تھی کہ بے شک تیری قربانی ایک بہت بڑی قربانی ہے لیکن تو اپنے بعد اس دنیا میں ایک سرسبز لوہا بادِ سموم کے جھونکوں میں چھوڑ کر جا رہا ہے۔

سکھ یوگ کو اس دنیا میں کنول کی بے کسی اپنی بے کسی نظر آنے لگی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس کی یہ التجا ٹھکرا دی جائے گی۔ وہ بے اختیار ہونکر آگے بڑھا اور راجہ کے قدموں میں گر پڑا۔

”ہمارا راج! اس نے کہا۔ میں نے جو کچھ کیا درست سمجھ کر کیا لیکن اگر آپ اسے میرا گناہ سمجھ کر میرے لیے موت کی سزا تجویز کرتے ہیں تو میں خوشی سے جان دینے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ مظلوم لڑکی بے گناہ ہے اس کا قصور اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ وہ اپنے باپ کی موت کو خاموشی سے برداشت نہ کر سکی۔ ہمارا راج! اگر میرے باپ دادا کی گزشتہ خدمات آپ پر تھوڑا بہت حق رکھتی ہیں تو اس لڑکی کو معاف کر دیجئے اور اسے عزت کے ساتھ اس کی قوم کے لوگوں میں پہنچا دیجئے۔ سکھ یوگ اس سے زیادہ کچھ نہ سکا وہ آنسو پونچھتا ہوا اٹھا اور راجہ کے پہرے پر اپنی درخواست کا اثر دیکھنے لگا۔ راجہ نے ملتی سا ہونکر پروہت کی طرف دیکھا لیکن اس نے مزہ پھیر لیا۔ راجہ کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور مندر سے اتر کر دوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔

سکھ یوگ نے پروہت کی طرف دیکھا اور کہا: میں آپ سے رحم کی درخواست نہیں کرتا۔ صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ آپ نے اس لڑکی کے لیے کیا سزا تجویز کی ہے؟ پروہت نے کہا: میں تمہیں یہ بتا کر تمہاری تکلیف میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا

لیکن اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو! وہ مکار لڑکی سماج کے ایک ہونہار بیٹے کو اپنے دام میں پھنسا کر اسے بھر مشٹ کرنے، اس کی آتما کا ستیاناس کرنے اور اسے سماج کے خلاف بغاوت کے لیے اکسانے کی مجرم ہے۔ تباہی کے دل میں اس کے لیے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو۔ سماج کا قانون اسے قابل معافی نہیں سمجھتا۔ جہاں راج اس لڑکی کی سزا تجویز کر چکے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قہاری جلتی ہوئی چتا میں پھینک دیا جائے گا۔

پر وہ بت کے ان الفاظ سے سکھدیو کے جسم کا رُوں رُوں غصے سے لڑنے لگا۔ اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: ذلیل انسان! کاش تمہیں بھی میری طرح کوئی دھرم ٹوٹنے اور آتما کا ستیاناس کرنے والا مل جاتا اور شاید تم بھی ایک وحشی درندے سے انسان بن جاتے۔

پر وہ بت کی یہ توہین سماج کے بیٹوں کی توقع کے خلاف تھی۔ وہ تمام غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گنگا رام نے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ سکھدیو کے بازو پکڑ کر دربار سے باہر لے گئے۔

شاہی محل کے بیرونی دروازے پر سکھدیو کا پرانا رفیق رام داس کھڑا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ سکھدیو نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور آنکھیں پھیر لیں:

آخری سہارا

رات کے وقت قید خانے کی تنہائی میں سکھدیو کے لیے ہر لمحہ ہفتوں اولد مہینوں سے زیادہ طویل تھا۔ زندگی کی روشنی اپنی تمام رنگینوں کے ساتھ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو رہی تھی اور موت کے اندھیرے اس کے دل و دماغ پر قبضہ جما رہے تھے۔ رات کے سیاہ پردوں میں اسے کالی دیوی کی مہیب تصویر رقص کرتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں لیکن یہ بھانک اندھیرے موت کے مہیب تمقوں میں تبدیل ہو کر اس کے کانوں میں گونجنے لگے اس کا دم گھٹ رہا تھا اور وہ دیوانوں کی طرح چلانا چاہتا تھا لیکن یہ کیفیت دیر تک رہی اسے کنول کا خیال آیا اور اس ظلمت کدہ میں ہزاروں مشعلیں روشن ہو گئیں وہ تصویر میں وہ منظر دیکھنے لگا جب کنول اس سے جدا ہو کر قید خانے کی ایک علیحدہ کٹھڑی کی طرف جاتے ہوئے اپنی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے اور چہرے پر مسکراہٹ پیدا کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

خیالات کی زنجیر اسے جدائی کے آخری منظر سے ملاقات کے ابتدائی مناظر کی طرف لے گئی۔ گزشتہ واقعات کے باہمی ربط نے اسے پھر ایک بار سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ کشتی کے ڈوب جانے کے بعد زندہ بچ کر کنول کے گھر تک پہنچنے سے اب تک کسی زبردست اور نامعلوم طاقت کے ہاتھوں کھیلتا رہا ہے وہ اپنی مرضی سے بے ہوش ہو کر اچھوتوں کے گھر نہیں پہنچا تھا اسے اپنے ارادے

نے نہیں بلکہ کسی اور کی خواہش نے اُم کھانے پر مجبور کر دیا تھا وہ کون تھا جس نے دریا میں اُم پھینکتے وقت اس کے ہاتھ روک لیے تھے۔ وہ کون تھا جس نے آدھی رات کے وقت کنول کو اُم دے کر بھیجا تھا جس نے اس کے ارادے کے خلاف اس کے من کے مندر سے دیوتاؤں کی تصویریں اٹھا کر ان کی جگہ ایک اچھوت لڑکی کی تصویر رکھ دی تھی وہ کون تھا جس نے دیوتاؤں کے ہوتے ایک نیچی ذات کی لڑکی کو اس کے دل پر قبضہ جمانے کے تمام طریقے سکھا دیئے تھے؟

ان سوالات پر بار بار غور کرنے سے سکھ دیو کا یہ خیال یقین کی حد تک پہنچنے لگا کہ کوئی زبردست اور نامعلوم طاقت آج تک اس کے ہر نئے اقدام پر اس کی رہنمائی کرتی رہی ہے اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہونے لگا کہ شاید وہ زبردست طاقت یہ پسند نہ کرے کہ اس کھیل کا آخری منظر اس کی اور اس کے بعد کنول کی حسرت ناک موت ہو۔ بے کسی اور مایوسی کے بوجھ کے نیچے دیے ہوئے دل نے اس زبردست طاقت کو اپنا آخری سہارا بنا لینے کی تائید کی رکھنے والی نے منہ کے بل زمین پر گر کر انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا

”اے دیوتا!... اے دیوتاؤں کے دیوتا...!“

وہ یہاں تک کہہ کر رک گیا اس زبردست طاقت کا جو تصور اس کے دماغ میں موجود تھا دیوتا کے لفظ میں نہیں سما سکتا تھا۔ اس طاقت کی صفات میں اسے دیوتا کی ہیبت کو داخل کرنا نامناسب معلوم ہوا اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنی دعا ان الفاظ میں شروع کی:

”اے مظلوموں اور بے گناہوں کی حمایت کرنے والی زبردست اور انصاف پسند طاقت! میں نے جو کچھ کیا تیرے اشاروں پر کیا۔ اس وقت تو ہی میرا سہارا ہو سکتی ہے

اگر تو ہے تو میں تجھے مدد کے لیے پکارتا ہوں۔ اگر میں سماج کے انصاف کا حقدار نہیں تو تیرے رحم کا حتی دار ضرور ہوں۔ اگر دیوتاؤں کی طرح تیرا انصاف بھی مجھے قصور وار ٹھہراتا ہے تو میں خوشی کے ساتھ جان مینے کے لیے تیار ہوں لیکن ایک بے گناہ لڑکی کا درونک انجام مجھے تیرا انصاف نظر نہیں آتا۔ نہیں! تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کاش تیرے کانوں تک میری آواز پہنچ جائے اے زبردست طاقت اس وقت تو کہاں ہے؟“

(۲)

سکھ دیو نے ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ باہر پہریداروں کی چیخ پکار سنائی دی وہ چونک کر اٹھا اور اپنی تاریک کوٹھڑی کے دروازہ کے ساتھ کان لگا کر سننے لگا۔ تلواروں کی جھنکار سے اس نے اندازہ لگایا کہ باہر پہریداروں پر کسی نے حملہ کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں بیچی پکار زنجیروں کے کڑھنے تک محدود ہو کر رہ گئی اور سکھ دیو نے پاؤں کی آہٹ سے محسوس کیا کہ چند آدمی اس کی کوٹھڑی کی طرف آ رہے ہیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ باہر سے آنے والے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلتے گئے۔ چند دھکوں کے ساتھ دروازہ ایک سخت دھماکے کے ساتھ کھلا۔ سکھ دیو جھبت لگا کر باہر نکلا اور اس نے دیکھا کہ پندرہ بیس آدمی ننگی تلواریں لیے کھڑے ہیں۔ چہروں پر نقاب ہونے کی وجہ سے وہ کسی کو پہچان نہ سکا۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ”آئیے میرے ساتھ جلدی کیجئے!“

ایک پہریدار ہم سے بچ کر بھاگ گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں دوسرے سپاہی آجائیں گے“

سکھ دیو اس کی آواز پہچان کر بولا ”رام داس! تم؟“

رام داس نے کہا "باتوں کا وقت نہیں۔ آئیے میرے ساتھ!"
سکھدیو نے رام داس کے ساتھ دو تین قدم اٹھائے لیکن پھر رک کر کھڑا
ہو گیا۔

رام داس نے برہم ہو کر کہا "چلتے کیوں نہیں آپ! سپاہی ابھی آجائیں گے۔
جلدی کیجئے آپ کے لیے گھوڑا تیار کھڑا ہے۔"

سکھدیو نے غصے میں جواب دیا "رام داس! مجھ سے زیادہ وہ منظم
لڑکی تھا اے رحم کی حق وار تھی۔ اگر تم نے میرے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالنے
کی جرات کی ہے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں اسے خطرے میں چھوڑ کر بھاگ
جاتاں گا۔"

رام داس نے کہا "وہ شاید اس کو ٹھہری میں ہے آؤ جلدی کرو۔"
سکھدیو، رام داس اور اس کے ساتھی پہرہ داروں کی لاشوں پر سے گزرتے
ہوئے ایک کو ٹھہری کی طرف بڑھے اور ایک زبردست دھکے کے ساتھ دروازہ
توڑ ڈالا۔ کنول پہلے ہی تمام واقعات کا اندازہ لگا چکی تھی۔ سکھدیو کی آواز بھی
اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی وہ دروازہ ٹوٹتے ہی باہر کی طرف لپکی سماج کے چوڑے
بھاگتے ہوئے قید خانے کی حدود سے باہر نکل آئے۔

ایک شخص آسم کے ایک درخت کے نیچے گھوڑا لیے کھڑا تھا۔ رام داس نے کہا
"جلدی کیجئے! شاید بھاگنے والے پہرہ دار نے فوج کو خبردار کر دیا ہے۔ سینے اقلے
کی طرف سے آوازیں آ رہی ہیں۔"

سکھدیو جلدی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور کنول کو اپنے بازو کا سہارا لے
کر پیچھے بٹھایا۔

رام داس نے سکھدیو کو اپنی تلوار، کمان اور زرش پیش کرتے ہوئے کہا۔

پہلے شاید آپ کو ان کی ضرورت پڑے۔ وہ آپ کے تعاقب میں آتے
ہی ہوں گے۔ آپ جنگل کا رخ کریں وہ غالباً دریا کی طرف توجہ کریں گے۔"

سکھدیو نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کنول اس کی کر کے ساتھ لپٹ گئی۔
گھوڑا ایک دو چھت لگانے کے بعد رات کے سیاہ پردوں میں غائب ہو گیا۔

رام داس سپاہیوں کو ادھر ادھر فرار ہونے کا حکم دے کر دیر تک وہاں کھڑا
گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنتا رہا۔ یہ آواز بتا رہی تھی کہ ہوتی ہوئی ختم ہو گئی اور قلعے کی
طرف سے آنے والی آوازیں صاف طور پر سنائی دینے لگیں۔

(۳)

رام داس کا یہ تیسرا کرجان بچا کر بھاگنے والا سپاہی فوج کو خبردار کر چکا ہوگا
صحیح نکلا لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ سماج کے سپاہی سکھدیو کے تعاقب
کے لیے صرف دریا کا رخ کریں گے۔ گنگا رام نے اس واقعہ سے باخبر ہوتے
ہی شہر کے چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور خود ایک دستے کے ساتھ جنگل
کا رخ کیا۔

سکھدیو ابھی شہر سے تین کوس دور نہ گیا تھا کہ اسے پیچھے سے گھوڑے
کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ایک کوس اور طے کرنے کے بعد وہ گتے جنگل میں
پہنچ چکا تھا لیکن تعاقب میں آنے والے سوار بہت قریب آچکے تھے۔ سکھدیو
نے بھاگتے ہوئے تعاقب کرنے والوں کے تیروں کا شکار ہونے کی بجائے
گتے جنگل اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھانا بہتر خیال کیا۔

اس نے گتے جنگل میں گھوڑا روکا اور نیچے کود کر کنول کو ڈالنے کے لیے سہارا

دیا اور لگام اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اسے خاموش کھڑی رہنے کی ہدایت کی۔
گنگارام نے گھنے اور تاریک جنگل میں سکھ دیو کا کوئی سراغ نہ پا کر سواروں
کو گھوڑے روکنے کا حکم دیا۔

سکھ دیو تاریکی میں گنگارام کے ساتھیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا
تاہم اس کے خیال کے مطابق ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ اور بیس سے کم تھی۔
تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد گنگارام کی آواز آئی۔ "میرا خیال ہے کہ اگر
وہ اس طرف آیا ہے تو زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ آگے جنگل اس قدر گھنا ہے کہ نصف
رات میں گھوڑا بھگانا آسان نہیں رہے گا۔ وہ کہیں ادھر ادھر چھپ کر صبح کا انتظار کرے گا
صبح تک ہمیں بھی اس کو اسی علاقہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ دن کی روشنی میں ہم اس
کا کھوج نکال لیں گے۔"

گنگارام کی آواز پہچان کر سکھ دیو کا خون کھولنے لگا۔
گنگارام پھر بولا "ہمیں یہاں سے دو دو تین تین آدمیوں کی ٹولیوں میں
تقسیم ہو کر اس علاقے کو صبح تک اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے۔"

ایک سپاہی بولا "لیکن جہاں جہاں ہمیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سکھ دیو اکیلا
نہیں۔ شاید وہ لوگ جو پندرہ بیس پہرہ داروں کو قتل کر کے اسے نکال لائے ہیں
اس کے ساتھ ہوں اور وہ دو تین آدمیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پسند نہ
کریں۔ مجھے تو یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ ادھر ادھر چھپ کر ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔"
گنگارام نے جواب دیا "زور نہ بنو۔ بھاگنے والے مقابلہ نہیں کیا کرتے۔"

تھوڑی دیر میں ہماری پیادہ فوج پہنچ جاتے گی۔ اس وقت ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے
کہ وہ اس جنگل میں ہیں یا نہیں۔"

گنگارام کی باتوں سے سکھ دیو آنے والے خطرات کا اندازہ لگا کر ایک ٹھیلے

پہنچ چکا تھا اور گنگارام نے اپنا آخری فقرہ پورا کیا اور ادھر ایک تیر سکھ دیو کی
کمان سے نکل کر اس کی پسلی میں پیوست ہو گیا۔

گنگارام نے ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ اپنا سر زمین کے ہتھے پڑھیک دیا۔
سپاہی ابھی ہوشیار نہ ہوئے تھے کہ چار پانچ اور تیر کیے بغیر دیگرے مختلف آدمیوں
کو لگے۔ ایک سپاہی نے چلا کر کہا۔ "وہ یہیں ہیں۔ سینا پتی ماسے گئے۔ چاروں
طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ بھاگو! بھاگو!"

ایک تیر ایک گھوڑے کو لگا اور اس نے تمام گھوڑوں میں کھلبلی مچا دی۔
گنگارام کو گزند دیکھ کر ایک شخص نے پھرتی سے اپنا گھوڑا آگے کیا اور اس کی کمر میں
ہاتھ ڈال کر اسے اپنے گھوڑے پر ڈال لیا اور باگ موڑ لی۔ باقی سپاہی اس کے پیچھے
ہو لیے اور ان کی آن میں میدان خالی ہو گیا۔

سکھ دیو نے کنول کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے کہا "کنول!
اگر آج میں تمہارے باپ کی موت کا انتقام لینے میں کوتاہی کرتا تو مجھے ساری عمر
انسوس رہنا پڑتا۔"

کنول نے پوچھا "وہ ہمیں ان کے ساتھ تھا؟"
"میرا پہلا تیر اسی کے سینے میں لگا تھا۔ اب جلدی کرو! ہمیں راتوں رات یہ
جنگل عبور کر لینا چاہیے۔ سکھ دیو یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کنول کو سہارا
دے کر پیچھے بٹھا لیا۔"

شہروں سے دور

افق مشرق سے شب کی رائے سرگین سمٹنے لگی اور صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ گھنٹے جنگل میں درختوں سے شبنم کی بوندیں ٹپک کر سرسبز گھاس پر گر رہی تھیں۔ سکھدیو اور کنول تھکے ہوئے گھوڑے سے اتر پڑے۔ اس روح پرور تنہائی میں ان کے دل محبت، آزادی اور مسرت کے دلکش راگ الاپ رہے تھے زندگی اپنی دلفریب حقیقتوں کے ساتھ مسکراتی تھی۔

کنول نے غیر ارادی طور پر ایک شاخ پکڑ کر پتے توڑنے کی کوشش کی شاخ میں ہلکی سی جنبش کے ساتھ شبنم کے چند قطرے سکھدیو پر گرے اور وہ پریشان ہو کر رہ گیا۔ سکھدیو نے مسکراتے ہوئے ایک شاخ کو پکڑ کر بلایا اور خود چھینٹوں سے بچنے کے لیے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کنول ہنستے ہوئے کپڑے جھاڑنے لگی۔ میں بارش سے نہیں ڈرتی جب آپ ساتھ ہوں میں کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔

سکھدیو بولا "کنول! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم مرکز بھر زندہ ہوئے ہیں" کنول نے پوچھا "آپ کو یقین ہے کہ اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں؟"

سکھدیو نے جواب دیا "اب ہم خطرے کی حدود سے باہر آچکے ہیں۔ دو تین کوس آگے چل کر ہم ریاست کی سرحد سے پار ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ گنگارام کا انجام دیکھ کر اول تو راجہ خود ہی میرے تعاقب میں کسی کو نہیں بھیجے گا

اور اگر یہ ہم کسی کے سپرد کی بھی گئی تو جب تک وہ ہمارے گھوڑے کا کھوج نکالتا ہو اس جگہ پہنچے گا ہم سرحد پار کر کے کسی کو س آگے جا چکے ہوں گے۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا گھوڑا بھی تازہ دم ہو جائے گا۔
دو خوبصورت چوڑیاں اڑتی ہوئی آئیں اور سامنے شاخ پر تھوڑی دیر بیٹھ کر چھپانے کے بعد پھراؤ لگیں۔

سکھدیو کے منہ سے بے اختیار "آزادی" کا لفظ نکلا اور اس نے کنول کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا "کنول تمہیں معلوم ہے ہم کہاں جا رہے ہیں؟" کنول نے کہا "جب تک آپ ساتھ ہیں مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں" سکھدیو نے کہا "میں کچھ دیر پہلے یہ سوچتا تھا کہ اس دنیا میں شاید ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں لیکن ان چڑیوں کو دیکھنے کے بعد میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ اس دنیا میں ہزاروں ایسی جگہیں موجود ہیں جہاں صرف آزادی کی حکومت ہے خوش الحان پرندوں کی طرح ہم بھی جس جگہ دو گھڑیاں گزارا کریں گے اسے اپنا گھر سمجھ لیا کریں گے۔"

کنول نے کہا "لیکن پرندے بھی وقت پر اپنے گھونسلوں میں جا بیٹھتے ہیں ہمیں کوئی نہ کوئی آرام کی جگہ تلاش کرنی پڑے گی۔"

سکھدیو نے قد سے مغوم لہجے میں کہا "کنول! اب میں کسی شہر میں نہیں جا سکتا اور کسی ایسی بستی میں بھی پاؤں نہیں دھر سکتا۔ جہاں اونچی ذات کے لوگ رہتے ہوں مجھے یا تو اپنی باقی عمر کسی ویران جگہ میں گزارنی ہوگی یا اچھوتوں کی کسی بستی میں پناہ لینا پڑے گا۔ یہ مغرب لوگ تمہارے پتا کی طرح بے یار و مددگار لوگوں کو خوشی سے پناہ دیں گے۔ میں ان لوگوں کی زندگی اختیار کروں گا ان کے ساتھ بکریاں چرایا کروں گا اور تم.....!"

”اور میں کنول نے آنسوؤں میں آنسو بھرتے ہوئے پوچھا۔

سکھدیو نے کہا ”اور تم میرے دل کے مندر کو آباد کرو گی یہ دلیز تاؤں کے روٹھ جانے سے سناں ہر گیگا ہے لیکن یہ آنسو کنول مجھے تمہاری مصیبت کا دکھ سے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔“

کنول نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ”میں آپ کے ساتھ ہر تکلیف خوشی سے برداشت کروں گی لیکن مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ آرام کی زندگی چھوڑ کر یہ تمام مصیبتیں اٹھائیں گے۔ میری وجہ سے آپ دوستوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر اچھوتوں میں گناہ ہو کر رہیں گے۔“

”کنول یہ نہ کہو۔ اگر میں ایک راجہ بھی ہوتا تو بھی اپنی تمام زندگی کو تمہارے ساتھ ان چند لمحات کی خوشی کی قیمت نہ سمجھتا۔ اگر میری طرح یہ بڑے بڑے محکوم میں رہنے والے اونچی ذات کے لوگ اس خوشی اور آزادی کی نعمت سے واقف ہو جائیں جس کا طوفان میرے دل میں موجیں مار رہا ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے محلات چھوڑ کر پھر ایک بار ایسے جنگلوں میں گھاس پھونس کی چھوٹی پٹی تعمیر کر پر آمادہ ہو جائیں۔“

کنول دیر تک مکملگی بانہہ کر اس کی طرف دیکھتی رہی اس کے چہرے سے حزن و ملال کے بادل چھٹ چکے تھے اور اس کے حسن و جمال کا نکھار سکھدیو کے دل و دماغ کی تمام قوتوں کو مغلوب کر رہا تھا۔ وہ جذبہ عبودیت جس نے زمین و آسمان کی زبردست قوتوں کے سامنے سر بسجود ہونا سیکھا تھا اب اسے ایک اچھوت لڑکی کے سامنے سر جھکا دینے پر آمادہ کر رہا تھا لیکن سکھدیو اپنی اس شکست کو اپنے مروانہ دقار کی توہین سمجھتے ہوئے سنبھل گیا اور چونک کر بولا ”کنول چلو!

میں ویر ہو رہی ہے۔“

یہ دونوں پھر ایک بار تھکے ماندے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

(۲)

شام ہونے کو تھی سکھدیو اور کنول ایک ندی کے کنارے اترے سیکھدیو نے گھوڑے کی زین اتاری اور اسے گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود سرسبز گھاس پر لیٹ گیا۔ کنول اس کے قریب بیٹھ گئی۔

سکھدیو نے انگوٹھی لیتے ہوئے کہا ”اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہاں کنول تمہیں بھوک تو بہت لگ رہی ہو گی؟“

”ہم دونوں بھوک کے ہیں۔ کنول نے جواب دیا۔

”آج رات تو شاید پانی پی کر ہی گزارا کرنا پڑے۔ صبح سویرے ہم چڑا ہوں گی کسی نہ کسی بستی میں پہنچ جائیں گے۔ اگر گھوڑے میں آگے چلنے کی ہمت ہوتی تو ہم آج ہی چرواہوں کی کوئی نہ کوئی بستی تلاش کر لیتے لیکن وہ جواب دے چکا ہے میں تھوڑی دیر ستانے کے بعد ادھر ادھر دیکھتا ہوں اگر کوئی چرواہا نظر آیا، تو تمہارے لیے دو دھڑے آؤں گا۔“

”آپ تھکے ہوئے ہیں آرام کریں۔ مجھے اتنی بھوک نہیں۔ صبح دیکھا جائیگا میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دوں گی۔“

سورج غروب ہو چکا تھا اور افق مغرب پر بکھرے ہوئے بادلوں کے چند ٹکڑوں کی سُرخی پر سیاہی غالب آ رہی تھی۔ شام کی خشک ہوا کے چھونکے ندی کے صاف اور شفاف پانی پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ آسمان

یہ پرستاروں کا کارواں نمودار ہونے لگا اور ہوا کی تنگی بڑھنے لگی۔ سکھ دیوانہ لڑکوں کے قریب بیٹھ گیا۔

کنول؟

مہاراج!

میں محسوس کرتا ہوں کہ تم برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور کبھی جدا نہیں ہوئے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ستاروں کی چھاؤں میں میں پہلے بھی کئی بار تمہارے ساتھ باتیں کر چکا ہوں۔ شاہو چیلے جنم میں ہم دونوں اچھوت تھے اور موت کے بعد کسی پرانے باپ کی وجہ سے ہم ان جنم میں ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے لیکن زندگی اور موت کا یہ ہیر پھیر ہماری محبت کی زنجیریں توڑ سکا اور تم نے پھر ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیا۔

کنول نے جواب دیا کہ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے تو بار بار یہی خیال آتا ہے کہ آپ مجھ پر توں کن کر میری تسلی کے لیے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ اگر زیبات درست ہو کہ پچھلے جنم میں ہم دونوں اچھوت تھے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ رشتہ جو تمہارے درمیان اس وقت قائم تھا۔ اب شاید قائم نہ ہو سکے۔

کوئی رشتہ؟ کنول ایشم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ میں تمہارے سوا باقی تمام رشتے توڑ چکا ہوں میرے لیے زندگی اب صرف تم ہو۔ سکھ دیوانے کسی حد تک جذبات سے مغلوب ہو کر کنول کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔

کنول نے جیسا سے مغلوب ہو کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا مجھے آپ کی محبت سے انکار نہیں لیکن رشتے سے میری مراد مرد اور عورت کا جائزہ تعلق ہے جو شاید ایک ہی ذات کے لوگوں میں ہو سکتا ہے۔ جب آپ کسی بستی میں داخل ہو گئے تو لوگ آپ سے پوچھیں گے کہ یہ آپ کی کون ہے آپ انہیں کیا جواب دیں گے؟

شاید آپ کا یہ جواب کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں کافی نہ ہو اور ان کی نظر اس زنجیر تک نہ پہنچ سکے جس کے ساتھ تمہارے دل بندھے ہوئے ہیں کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ وہ مجھے ایک آوارہ عورت سمجھیں اور طرح طرح کی باتیں کریں؟

سکھ دیوانے کہا: کنول! جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو وہ میں سمجھ چکا ہوں۔ جائزہ تعلق سے تمہاری مراد شوہر اور بیوی کا تعلق ہے۔ دیکھو کنول! اگر تم چاہو تو میں آج سے تمہارا پتی کہلانے کے لیے تیار ہوں... میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ رشتہ جوڑنے کے لیے پروہت کے بھجن اور شہنائیوں کی ضرورت نہیں اور شاید ہمیں کوئی ایسا پروہت مل بھی نہ سکے اس لیے یہ رشتہ ہم سماج کے سامنے نہیں بلکہ اس زبردست طاقت کے سامنے جوڑتے ہیں جس نے ہمیں ایک دوسرے سے ملایا اور سماج کی زبردست کوشش کے باوجود ہمیں موت کے منہ سے چھڑا لیا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ زبردست طاقت اب بھی تمہارے ساتھ ہے۔ ستاروں کی آنکھوں سے ہمیں ایک جگہ دیکھ کر خوش ہو رہی ہے میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن جو میں کہوں تم بھی کہو۔

سکھ دیوانے کنول کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ کہنا شروع کیا: "اے زبردست اور انصاف پسند طاقت! تو گواہ ہے کہ ہم آج شوہر اور بیوی کا رشتہ جوڑتے ہیں ہم مرتے دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے ہم صرف ایک دوسرے کے لیے زندہ رہیں گے۔ اے زبردست اور انصاف طاقت! ہماری مدد کر۔"

کنول نے ذہنی زبانی سے سکھ دیوانے کے یہ الفاظ دہرائیے۔ سکھ دیوانے کی نگاہیں ستاروں سے باقی کر رہی تھیں کنول کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔

سکھدیونے کہا: کنول! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس زبردست طاقت کا نام محبت یا محبت کا مرکز ہونا چاہیے۔

لیکن سکھدیو کی موجودگی میں کنول نے کسی اور طاقت کے تصور کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس نے آگے جھک کر سکھدیو کے پاؤں چھو لیے۔

”نہیں! نہیں! کنول! بسکھدیونے یہ کہتے ہوئے اسے کھینچ کر اپنی آنکھوں میں لے لیا دونوں نے لڑتی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن سنی ایک دوسرے کے تنفس کی حرارت محسوس کی اور دونوں کے کانپتے ہوئے ہونٹ ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔

کنول نے پوچھا: ”کیا آپ کو یقین ہے کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں؟“
سکھدیونے جواب دیا: ”نہیں! یہاں کوئی خطرہ نہیں ہم اپنی ریاست کی سرحد بہت دور آچکے ہیں۔ اونچی ذات والوں کے شہر یہاں سے کوسوں دور ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمیں اس غیر آباد علاقے میں آزاد قوم کے چرواہوں کی کوئی نہ کوئی بستی مل جائے۔“

(۱۳)

پچھلی رات کی چاندنی میں سکھدیو اور کنول نے ندی عبور کی۔ کنول گھوڑے پر سوار تھی اور سکھدیو اس کی لگام ہاتھ میں لیے آگے آگے چل رہا تھا۔

وہ دیر تک سفر کرتے رہے لیکن چرواہوں کی بستیوں کا کوئی نشان نہ ملا راستے میں پانی کی کمی نہ تھی لیکن بھوک ان دونوں کو نہ ڈھال کر رہی تھی۔ تمکھا ماندہ گھوڑا چلتے چلتے رک جاتا اور گھاس کے چند ٹکے نوچنے کے بعد پھر چل پڑتا۔

دوپہر کے وقت انہیں درختوں کے درمیان چند بھیریں اور بکریاں چرتی ہوئی نظر آئیں اور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف سے بنسری کی دکھش آواز سنائی دی۔ سکھدیو اور کنول بھیروں کے قریب پہنچے۔ ایک درخت کے نیچے کسی کا پھٹا پرانا بستر، ایک مٹی کا پیالہ اور مچھلیاں پکڑنے والا ایک چھوٹا سا جال پڑا تھا لیکن انہیں بنسری بجانے والا نظر نہ آیا۔ سکھدیونے کنول کو گھوڑے سے اتار کر گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور دونوں درختوں کے جھنڈ میں بنسری بجانے والے کو تلاش کرنے لگے۔

”وہ دیکھیے! کنول نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
سکھدیونے اوپر نگاہ کی تو اسے درخت کی گھنی ٹہنیوں کے درمیان ایک انسان کی صورت دکھائی دی۔

”کیوں بھاتی نیچے نہیں آؤ گے؟ سکھدیونے آگے بڑھ کر کہا۔
”کوئی! بنسری بجانے والے نے چونک کر کہا اور اس کے ساتھ ہی بنسری اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

سکھدیونے کہا: ”بھائی! ہم مسافر ہیں۔ بہت تھکے ہوئے۔ اور بہت بھوکے!“

چرواہا درخت کی ٹہنیوں کے ساتھ لٹکنا ہوا نیچے اترا۔ اور سکھدیو اور کنول کی طرف پریشان سا ہر کر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر گھوڑے پر پڑی اور اس نے پوچھا:

”یہ گھوڑا تمہارا ہے؟“

سکھدیونے جواب دیا: ”ہاں ہمارا ہے!“

”بہت خوبصورت گھوڑا ہے۔ میں نے ایسا گھوڑا کبھی نہیں دیکھا۔ تم

کس دس کے سہنے والے ہو؟

ہم دور دس کے سہنے والے ہیں۔

آپ شاید میری بفسری کی آواز سن کر ادھر آتے ہیں؟

ہاں تم بفسری بہت اچھی بجاتے ہو۔

آپ اسے پسند کرتے ہیں؟ لیجئے میں پھر بجاتا ہوں۔ یہ کہہ کر چرواہے نے جلدی سے بفسری اٹھائی اور ہونٹوں کے ساتھ لگائی۔

سکھدیو نے کہا "بھائی ٹھہرو ہم آرام سے بیٹھ کر تمہاری بفسری سنیں گے پہلے تمہاری بھوک کا علاج کرو۔"

آپ بھوکے ہیں؟

سکھدیو نے جواب دیا "دونوں سے کچھ نہیں کھایا۔"

"ادھو! مجھے آتے ہی کیوں نہ بتایا؟"

"بتایا تھا لیکن تم نے سنا نہیں۔"

"بس میں ابھی آتا ہوں۔ چرواہا یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا اور آن کی آن میں

چند بکریاں گھیر کر درخت کے نیچے لے آیا اور مٹی کا پیالہ اٹھا کر دودھ دوہنے

لگا۔ سکھدیو اور کنول درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ چرواہے نے پہلا پیالہ بھر کر

سکھدیو کو پیش کیا۔ سکھدیو نے کنول کو پیش کرنا چاہا لیکن اس نے پہلے آپ

کہہ کر انکار کر دیا۔ سکھدیو نے ایک دو دفعہ اصرار کیا تو چرواہے سے نہ رہا گیا اور

وہ بولا۔ ہمارے ملک میں تو کھانے پینے کی باتوں میں مرد پہل کرتا ہے لیکن معلوم

ہوتا ہے کہ تمہارے ملک کا رواج الٹا ہے۔"

کنول اس پر ہنس پڑی اور سکھدیو نے مسکراتے ہوئے پیالہ مہر سے لگایا۔

کنول اور سکھدیو نے سیر ہو کر دودھ پیا لیکن چرواہے کی تسلی نہ ہوئی اور

جب تک ان دونوں کی قوت برداشت نے جواب نہ دے دیا اور وہ پینے کے لیے اصرار کرتا رہا۔

سکھدیو نے پوچھا: "بھائی چرواہے تمہارا کیا نام ہے؟"

"بدھو" چرواہے نے جواب دیا۔

"کہاں رہتے ہو؟"

"یہاں سے تین کوس کے فاصلے پر دریائے راوی کے قریب ہماری بستی

ہے۔"

"دریائوں سے کتنی دور ہے؟"

"ایک کوس۔"

"تمہاری بستی میں کتنے لوگ آباد ہیں؟"

"بہت ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

چند اور سوالات کے بعد سکھدیو کو معلوم ہوا کہ دریا کے کنارے

چرواہوں کی اور بہت سی بستیاں آباد ہیں اور ان بستیوں کے اکثر لوگ بھیڑ

بکریاں پالتے ہیں۔ بعض مچھلیاں پکڑ کر گزارہ کرتے ہیں۔

سکھدیو کے سوالات کا جواب دینے کے بعد چرواہے نے پوچھا آپ

کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کس طرف جا رہے ہیں؟

سکھدیو نے اس کے جواب میں اپنی داستان مختصر طور پر بیان کر دی۔ بدھو

سکھدیو کی آپ بیتی کا کچھ حصہ سمجھا، کچھ نہ سمجھا۔ لیکن وہ یہ جان چکا تھا کہ ایک ضعیف

جمیل لڑکی اور ایک خوش وضع نوجوان مصیبت میں ہیں اور یہ احساس اس کے دل

میں ہمدردی کے انتہائی جذبات بیدار کرنے کے لیے کافی تھا۔

سکھدیو کی سرگوشی کے اختتام پر بدھو کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ہمدردی

کے گہرے جذبات جو اس کے دل میں کروٹیں لے رہے تھے، اُن کے اظہار کے لیے اسے اپنی تمام عمر میں سیکھے ہوئے الفاظ ناکافی نظر آنے لگے۔ اس نے دل و باغ اور زبان کی تمام کوششوں کو بڑے کالاتے ہوئے کہا:

”آپ نے بہت مصیبت اٹھائی ہے آپ میرے ساتھ چلیں مجھے آپ کی خدمت کر کے بہت خوشی ہوگی۔ ہمارا سرسرا بہت اچھا آدمی ہے وہ آپ کی رہائش کا انتظام کرے گا ورنہ میری جھونپڑی آپ کے لیے کافی ہوگی۔ میں اکیلا ہوں اپنے لیے اور جھونپڑی بنا لوں گا۔“

سکھدیونے بدھو کے ان سیدھے سائے الفاظ کے خلوص سے متاثر ہو کر احسان مندی کے اظہار کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس نے اٹھ کر درخت سے گھوڑے کا رتھا کھولا۔ اس کی زین اور لگام اتار کر نیچے پھینک دی اور اسے تھپکی دینے کے بعد ایک طرف ہانک دیا۔

گھوڑا چند قدم آہستہ آہستہ چلنے کے بعد گھاس میں چرنے لگا۔ سکھدیونے ایک پتھر اٹھا کر اس کی طرف پھینکا اور وہ سرپٹ بھاگ اٹھا۔ بدھو کچھ دیر بھاگتے ہوئے گھوڑے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر سکھدیونے کی طرف دیکھ کر بولا۔ گھوڑا بہت دور چلا گیا ہے۔ شاید واپس نہ آئے۔ میں پکڑ لاؤں؟“

سکھدیونے جواب دیا ”نہیں نہیں اب اس کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ پیدل چلیں گے۔“

بدھو اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور تہی اس نے اس حماقت کی پوری وجہ دریافت کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ تاہم سکھدیونے اس کی تسلی کے لیے مزید شریح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا ”ہم تینوں سماج کے چور ہیں۔ دو

کو شاید آپ کے جھونپڑے پناہ دے سکیں لیکن گھوڑے کو چھپا کر رکھنا مجھے مشکل نظر آتا ہے۔“

اس جواب نے بدھو کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ سکھدیونے کو یہ رعایت دے سکتا تھا کہ اپنے آپ کو چولہے سمجھے لیکن اسے برحق نہیں دے سکتا تھا کہ وہ ایک حسین عورت کو خواہ وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو لوگوں کے سامنے بدنام کرنا کتنا پھرنے۔ کنول کی مصیبت کا حال سنتے ہی اس کے دل میں برادرانہ شفقت کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا اور اسے بہن کہہ کر پکارتے کا ارادہ بھی کر چکا تھا۔

سکھدیونے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر مسکرایا اور بولا: ”چور میرا مطلب یہ نہیں کہ تم نے کوئی چوری کی ہے میرا مطلب یہ تھا کہ ہم سماج کی قید سے بھاگ آئے ہیں۔ اچھا بھائی! اب بھرسی سناؤ۔“

بدھو بھرسی بجانے کے معاملے میں کسی کی درخواست ٹھکانے کا عادی نہ تھا۔ اس نے فوراً بھرسی اٹھائی اور گھاس پر بیٹھ کر ایک دلکش ترانہ شروع کیا۔ سکھدیونے کو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ سیدھا سادہ چرواہا موسیقی کی تمام لطافتوں سے آشنا ہے۔

درختوں کے سائے واصل رہے تھے لیکن بدھو کے ترانے ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔

سکھدیونے اس کو ذرا تازہ دم ہونے کا موقع دینے کی نیت سے کہا ”بدھو! تم بھرسی بہت اچھی بجاتے ہو۔ یہ راگ تمہیں کس نے سکھائے؟“

”یونہی جھنگل میں پھرتے پھرتے سیکھ گیا۔“

”یہاں سے کب واپس چلو گے؟“

بدھو نے درختوں کا سایہ دیکھ کر کہا ”میرا خیال ہے ہمیں اب چلنا پانا ہے۔“

شام قریب آ رہی ہے آپ یہیں ٹھہریں میں بکریاں گھیر لائوں؟

(۴)

شام کے وقت جب بستوں میں کتوں کی چیخ پکار چرواہوں اور ماہی گیروں کے اپنے اپنے گھر لوٹنے کا پتہ دے رہی تھی۔ سکھ دیو اور کنول بدھو کے ساتھ ایک ٹیلے پر سے گزر رہے تھے۔ یہاں سے انہیں وہ جھیل دکھائی دی جس کے ارد گرد چرواہوں کی بستیاں آباد تھیں۔ ان بستوں سے کچھ دور انہیں دریا کا چمکتا ہوا پانی بھی نظر آ رہا تھا۔ ٹیلے سے نیچے اتر کر وہ جھیل کے کنارے کناٹے چلتے ہوئے ایک بستی میں داخل ہوئے۔

بستی کے چھوٹے چھوٹے لڑکے حسب معمول ہنستے اچھلتے اور کودتے ہوئے بدھو کے استقبال کو نکلے لیکن اس دفعہ "بھیا بدھو" کے ساتھ دو غیر مانوس صورتیں دیکھ کر انہوں نے بے تکلف ہونے کی جرأت نہ کی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے دبی زبان میں کچھ کہتے ہوئے اپنے اپنے گھر کی راہ لی اور ان کی آن میں تمام بستی میں یہ منادی کرادی کہ بھیا بدھو، حق پر یوں اور بھوتوں کی کہانیاں سننا یا کرتا تھا ان میں سے دو کو اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

بدھو نے اپنے گھر پہنچ کر جھونپڑی میں سے دو چار پائیاں نکالی کر باہر ڈال دیں اور سکھ دیو اور کنول کو بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر میں گاؤں کی عورتیں اور مرد بدھو کے گھر میں جمع ہو گئے اور وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ بدھو سے بیسیوں سوالات کرنے کے بعد لوگ صرف اتنا جان سکے کہ یہ لڑکی ایک بہت بڑے سردار کی بیٹی ہے ان کے ملک میں ایک بہت بڑا راجہ تھا۔ اس نے اس لڑکی کے باپ کو قتل

کر کے اس لڑکی کو قید کر لیا۔ اس نوجوان کے پاس بہت سی فوجیں تھیں۔ اس نے راجہ کے ساتھ جنگ کی لیکن راجہ نے اسے بھی قید کر لیا۔ اس کے بعد ایک رات یہ دونوں قید خانے کے دروازے توڑ کر باہر نکلے اور راجہ کی فوجوں کو فنا کرتے ہوئے بھاگ آئے۔ اب یہ بدھو کے پاس رہیں گے۔

بدھو کی یہ کہانی کئی زبانوں کے مرچ مسالے کے ساتھ ان لوگوں کے بڑے سردار موتی تک بھی جا پہنچی تھوڑی دیر میں وہ بھی لاٹھی ٹیکتا، کھانستا پانی پاتا اور موجود ہوا۔ موتی کو دیکھ کر لوگ پاس ادب سے ادھر ادھر ہٹ گئے۔ بدھو بھاگتا ہوا پڑوس کی جھونپڑی سے ایک اور چار پائی لے آیا اور موتی کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔

بڑا بھلا سردار بدھو کے عجیب و غریب بیان اور اس پر لوگوں کی مبالغہ آرائی سے پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ اب سکھ دیو کے پہرے کا رعب و جلال دیکھ کر اور بھی سہم گیا اور اس نے بیٹھنے کی بجائے آگے جھک کر سکھ دیو کے پاؤں چھونے کی کوشش کی لیکن سکھ دیو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ کر کہنے لگا، "مجھے شرمندہ نہ کریں آپ بزرگ ہیں۔"

"نہیں مہاراج! میں آپ کا خادم ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی فوجوں نے راجہ کا مقابلہ کیا ہے۔ آپ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سواری کرتے ہیں اور آپ کی بیوی کسی بہت بڑے سردار کی لڑکی ہے جسے راجہ نے کسی دشمنی کی وجہ سے قید میں ڈال دیا تھا اور آپ راجہ کے ہزاروں سپاہیوں کو قتل کر کے اپنی بیوی کو اس کی قید سے نکال لائے ہیں۔ آپ اپنا ملک چھوڑ کر ہمارے پاس آئے ہیں۔ آپ کی سیدہ ہمارا فرض ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کے دشمن آپ کا پیچھا کرتے کرتے اس جگہ نہ پہنچ جائیں اور ہماری شامت نہ آجائے۔"

سکھدیونے جواب دیا: یہ علاقہ ہماری ریاست کی حدود سے بہت دور ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ کوئی اس طرف نہیں آئے گا اس کے علاوہ راجہ کے ساتھ میری کوئی خاص دشمنی نہیں وہ میرا دوست تھا لیکن اس تمام مصیبت کی وجہ میرے ساتھ راجہ کی فرج کے ایک افسر کی ذاتی دشمنی تھی اس نے میری بیوی کے باپ کو قتل کیا تھا لیکن اب وہ مارا جا چکا ہے اور مجھے کسی قسم کا خطر نہیں اب آپ اگر چاہیں تو ہمیں پناہ دیں ورنہ ہم کوئی اور جگہ تلاش کر لیں گے۔

موتی نام ساہوکر چار پانی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ہمارے جھونپڑے آپ کے لیے کھلے ہیں یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں آپ سے یہ سارا قصہ سننا چاہتا ہوں۔ مجھے بہادروں کے کارنامے سن کر بہت خوشی ہوتی ہے یہ کہہ کر سردار نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنے اپنے گھر۔ سردار کا یہ حکم سن کر تمام مرد اور عورتیں بدھو کے گھر سے نکل گئے۔ سردار نے سکھ دیو کی طرف دیکھا اور کہا:

”ہاں کہیے!“

سکھ دیو نے اپنا قصہ ذرا تفصیل کے ساتھ شروع کیا۔ بستی کے چند کردہ آدمی جو سردار کا حکم سن کر ذرا پیچھے ہٹ گئے تھے۔ سردار کے انہماک سے فائدہ اٹھا کر جھپکتے ہوئے سکھ دیو کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

موتی کے لیے اس داستان کا کوئی حصہ دل چسپی سے خالی نہ تھا۔ سکھ دیو کی داستان کے اختتام پر وہ بولا:

”معاف کیجئے جو سب سے ضروری بات تھی۔ اس کا ابھی تک ذکر نہیں آیا۔ آپ کو دو دن میں صرف دو دو ملا ہے۔ آپ بہت بھوکے ہوں گے لیکن یہ بدھو کا قصور ہے۔ اسے بدھو! جاؤ جلدی کرو۔ ہمارے گھر سے کھانے آؤ“

بدھو نے کہا: ”ہمارا راج کھانا تو ادا ہر بہت جمع ہو گیا ہے۔ میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ لوگ جائیں اور میں ان کے آگے کھانا رکھوں۔“
سردار کو بدھو کی سادہ دلی سے اُنس تھا اور وہ اس کی ہر اُلٹی سیدھی بات پر مسکرانے کا عادی تھا اس نے کہا: ”ہم جاتے ہیں بھائی! لیکن کھانا تمہارے پاس کہاں سے آیا؟“

”ہمارا راج! آپ کا نوکر کالوروٹیاں لے آیا ہے۔ دو لو مچھلیاں لے گیا ہے۔ مانی سنٹی مکھن کا ایک کٹورا بھر کر لے گئی ہے۔ باگو بھنے ہوئے گوشت کی دو رائیں لے گیا ہے اور لوگ بہت کچھ لے کر آئے تھے لیکن میں نے واپس کر دیا۔“

موتی نے کہا: ”اچھا تم انہیں کھانا کھلا کر میرے گھر لے آؤ۔ سردی میں ان کا باہر سونا ٹھیک نہیں اور تمہاری جھونپڑی بہت تنگ ہے۔“

بدھو نے کہا: ”نہیں ہمارا راج! میں خود باہر سو جاؤں گا اور جھونپڑی میں دو چار پائیاں آسانی سے آسکتی ہیں۔ کم از کم آج انہیں میرے پاس ضرور رہنے دیں“
سکھ دیو نے بدھو کی سفارش کی۔ موتی رضامند ہو کر اپنے گھر چلا گیا لیکن بدھو کی بے مروت سامانی کا احساس کرتے ہوئے اس نے اپنے گھر سے اون کی دو چادر لے اور دو بچھو نے بھیج دیئے۔

اگلے روز سکھ دیو موتی کا مہمان تھا اور ایک ہفتے کے بعد اس پاس کی بستریوں کے لوگ جمع ہو کر بدھو کے گھر کے پاس ایک کھلی جگہ میں ایک مکان تعمیر کر لے ہے تھے۔ موتی کے علاوہ دوسری بستریوں کے چھوٹے چھوٹے سردار بھی اس کام میں بڑی دل چسپی لے رہے تھے۔

(۵)

چند دنوں کے بعد سکھ یونے کنول کے ساتھ اپنے سٹے گھر میں قائم رکھتے ہوئے کہا "کنول! اس کے گردش کے دن ختم ہوتے۔ آج سے ہماری نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ کنول نے اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بستی کے لوگوں نے ان کے لیے صرف مکان ہی تعمیر نہیں کیا بلکہ اس میں کھانے پینے کی اشیاء کا بھی اتنا ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو کئی مہینوں کے لیے کافی تھا۔

گاؤں کی عورتوں میں اس بات کا بہت چرچا تھا کہ کنول ایک بڑے سردار کی لڑکی ہے اور اس کا شوہر ایک بہت بڑے راجہ کی فوجوں کا افسر تھا وہ کنول کے پاس بیٹھتے، اس سے باتیں کرنے اور اس کی خدمت کرنے میں ایک مسرت محسوس کرتی تھیں۔ انہیں جب موقع ملتا۔ کنول کے گھر بھاگ آتیں۔ کوئی اس کے لیے آگ جلاتی، کوئی بھانڈو دیتی وہ انہیں منع کرتی۔ لیکن وہ اصرار کر کے اسے آرام سے بیٹھ جاتے پر مجبور کر دیتیں۔

قریباً ہی سلوک گاؤں کے مرد سکھ یونے کے ساتھ کرتے تھے ماہی گیری اپنے شکار اور چرواہے اسے اپنے دودھ اور مکھن کا سب سے پہلا خندار سمجھتے تھے۔ وہ باہر جانا تو چرواہوں اور ماہی گیروں کے کام میں ہاتھ بٹانا چاہتا لیکن ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے۔ مہاراج! یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے ہونے ہوئے آپ کوئی کام کریں۔ آپ کی سیدو! ہمارا فرض ہے۔"

سکھ یونے بدھو کے پاس جانا اور اصرار کرتا کہ "بھائی! آج تم آرام کرو میں کیریا لے جاتا ہوں ورنہ میں تم سے دودھ نہیں لوں گا۔"

وہ منہ موم ہو کر کہتا: "بھائی! دیکھو یونے نہ کرو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں بہن کنول

کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے بہن بھائی مل گئے ہیں اور تم ہو کہ بار بار بیگانوں والی باتیں کرتے ہو۔"

موتی لاٹھی ٹیکتا ہوا دن میں ایک دو دفعہ سکھ یونے کے گھر آتا اور ہمیشہ پر پوچھتا "بیٹی کنول! اچھی ہو کوئی تکلیف تو نہیں؟" وہ جواب دیتی۔ "اچھی ہوں پتا جی! اور پیار سے کنول کے سر پر ہاتھ رکھتا۔ اور کہتا: "جنتی رہو بیٹی! تم مجھے پتا جی کہتی ہو تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بڑھاپے میں ایک سہارا مل گیا ہے۔"

سکھ یونے کا خیال تھا کہ اس کے حال پر ان لوگوں کی توجہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی اور اسے چند ہفتوں تک ان کی سخاوت کے کامیابیوں پر زندگی بسر کرنے کے بجائے اپنی محنت اور مشقت سے روزی کمانے کا موقع مل جائیگا اور وہ ہاتھوں کے ساتھ شامل ہو کر ایک جفاکش چرواہے کی زندگی بسر کر سکے گا لیکن لوگوں کی توجہ کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی۔ اس بستی کے لوگوں کے علاوہ دوسری بستیوں کے باشندے اور ان کے سردار جب اپنے بڑے سردار سے ملنے کے لیے آتے۔ سکھ یونے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لے آتے۔ اگر بھیا سکھ یونے چیزیں لینے سے انکار کر دیتا تو وہ بہن کنول کی منت سماجت کر کے منا لیتے۔ بعض اوقات ان کے گھر میں مکھن، مچھلی، شہد اور دیگر اشیاء اس قدر جمع ہو جاتیں کہ کنول کو پڑوسیوں میں تقسیم کرنا پڑتیں۔

سکھ یونے کی خودداری نے اسے دیر تک خاموش رہنے کی اجازت نہ دی وہ ایک صبح بستر سے اٹھتے ہی سیدھا سردار کے پاس پہنچا۔ سردار بستر پر بیٹھا کھانسی ہاتھ دھوا۔ سکھ یونے کو دیکھتے ہی بولا۔ "آؤ بیٹا! آؤ کل کالو کی بستی کے چند کسان کچھ مٹی اور چاول لے کر آئے تھے۔ مٹی میں نے چند عورتوں کو پسنینے کے لیے دی ہے کل تک تمہارے گھر آنا پہنچ جائے گا۔ چاول ابھی بیچ دیتا ہوں۔"

سکھدیونے کہا " اگر آپ اسی طرح کرتے رہیں گے تو مجھے کوئی اور جگہ تلاش کرنی پڑے گی۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔"

سروار نے چونک کر سکھدیو کی طرف دیکھا اور کہا " نابیٹا! یوں نہ کہو۔ اگر مجھے تمہارا سہارا بھی نہ رہا تو بڑھاپے کے دن گزارنے میں مشکل ہو جائیں گے تمہیں دیکھتا ہوں تو مردہ رگوں میں جان آجاتی ہے بلاوجہ ناراض ہونا تو ٹھیک نہیں! "

سکھدیونے ذرا نامدم ہو کر کہا " میں آپ سے ناراض نہیں ہوں لیکن مجھے ان لوگوں کے گارڈ سے پسینے کی کمائی سے اپنا پیٹ بھرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ میں نے آپ سے کئی بار عرض کیا ہے کہ میں اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھ کافی مضبوط ہیں اور میں سخت سے سخت کام کر سکتا ہوں۔ "

" کیا کام کرنا چاہتے ہو بیٹا؟ "

سکھدیونے کہا " آپ کی بکریاں جو دوسرے چرواہے چراتے ہیں۔ ان میں سے کچھ میں چرایا کروں گا۔ جو حصہ آپ انہیں دیتے ہیں وہ مجھے دے دیا کریں۔ "

" بیٹا! یہ کام تمہاری شان کے شایاں نہیں۔ "

" یہ بھی میری شان کے شایاں نہیں کہ میں دوسروں سے لے کر کھاؤں! "

" اچھا تو میری ایک بات مانو گے؟ "

" بتائیے! "

" سنو! تم میرے بیٹے ہو اور کنول میری بہو ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ میری زندگی میں بھی تمہارا ہے اور میرے بعد بھی تمہارا ہوگا۔ اگر تم آرام سے نہیں بیٹھ سکتے تو جتنی بکریاں سنبھال سکو لے لینا۔ تمہیں ایک نوکر بھی مل جائے گا۔ "

سکھدیونے کہا " مجھے نوکر کی ضرورت نہیں میں بدھو کے ساتھ جایا کروں گا اور تم دونوں بڑے سے بڑا گلہ سنبھال سکتے ہیں۔ "

" اچھا بیٹا! آج تو آرام کرو۔ شام کو چرواہے آئیں تو بدھو کو ساتھ لے کر آجانا۔ "

اگلے دن ایک کھلی چراگاہ میں بدھو کی بکریوں کے ساتھ سکھدیو کی بچا پس بکریاں اور چالیس بھیڑیں بھی چوری تھیں۔ سکھدیو ایک درخت کے نیچے لیٹا بدھو کی بکری کی دلکش تانیں سُن رہا تھا۔

راجہ اور پروہت

سکھدیو کے قید سے فرار ہونے اور گنگا رام کی موت کے بعد حالات نے راجہ کو باغیوں کے متعلق اپنے طرز عمل میں تبدیلی کی ضرورت کا احساس دلایا۔

گنگا رام راجہ کو اپنی پہلی شان و آبرو کی خوش خبری سنانے اور آگے بڑھنے کے لیے مزید فوجوں کا مطالبہ کرنے اور سب سے زیادہ سکھدیو کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی نیت سے فوج کی قیادت اپنے بھائی جے رام کو سونپنے کے بعد واپس لوٹا تھا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے جے رام کو ایک محدود علاقہ میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

جے رام اپنے بھائی کی غیر حاضری میں بیس سچسپس میل کے رقبے میں سکھدیو اور نہتے انسانوں کے سینوں پر اپنی تلوار کی تیزی آزمانا رہا۔ وہ لوگ جن کی ٹانگیں ان کا بوجھ اٹھا سکتی تھیں اپنے سردار کی بستی پر طاقت و دشمن کے حملے کی خبر سنتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لے چکے تھے۔ تاہم حملہ آوروں نے اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے بوڑھوں اور بچوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کے لیے زار کی تمام راہیں بند کر دیں اور جے رام نے انہیں موت کے گھاٹ اتارنے میں مقدس دیوتاؤں کی خواہشات کا پورا پورا لحاظ رکھا۔

قدرت نے گنگا رام کو اپنے پرانے حریت سکھدیو پر آخری فتح حاصل کرنے کے بعد لوٹ کر ان پہاڑیوں کی آخری چوٹیوں پر اونچی ذات والوں کی فریاد

کے جھنڈے لہانے کی اجازت نہ دی اور وہ سکھدیو کے تیروں کا نشانہ ہو کر چل بسا۔

گنگا رام کی موت کے بعد راجہ، رام داس کو سپہ سالار کے منصب پر فائز کرنا چاہتا تھا لیکن پروہت نے جو گنگا رام کی طرح سکھدیو کے سردوست کا لطف تھا۔ جے رام کی سفارش کی۔ راجہ کی نگاہ میں جے رام بہادر تھا نہ ہوشیار۔ لیکن اس کی تازہ کامیابیوں کے متعلق جو خبریں موصول ہو رہی تھیں ان کی بدولت پروہت کے علاوہ بعض کشتری سردار بھی جے رام کے طرف دار ہو گئے تھے۔

راجہ نے مجبوراً اسے سپہ سالار کا عہدہ دے کر دو ہزار سپاہیوں کی ملک بیھج دی اور پیش قدمی جاری رکھنے کا حکم دیا۔

جے رام نے حریت کی سرانجامی اور انتشار سے فائدہ اٹھایا اور چند دنوں میں اس کی فوج کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ایک وسیع علاقے پر قابض ہو گئی لیکن اونچے پہاڑوں کے دشوار گزار راستوں پر اس کی پیش قدمی کی رفتار نسبتاً سست تھی اور پہاڑی قبائل کو اپنی بستیاں خالی کر کے محفوظ مقامات پر پہنچنے کا موقع مل گیا۔

حملہ آوروں کی دہشت نے ان لوگوں کے قومی مفلوج کر دیے تھے وہ کچھ عرصے تک انفرادی طور پر صرف اپنی جانیں بچانے کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور ان کے دل میں انتقام کی دہلیز ہوئی آگ بے بسی کے آنسوؤں میں تبدیل ہوتی رہی۔

قریباً دو ماہ کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس قوم کے فوجیوں میں جن کا خون خوف اور دہشت سے منجمد ہو چکا تھا ایک نئی حرارت پیدا کر دی۔ جے رام کی فوج کے ایک سالار نے ایک واوی میں ایک گاؤں پر حملہ کیا

گاؤں کے لوگ حملہ آوروں کی آمد سے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ سپاہیوں نے تمام چھوٹے گاؤں کو آگ لگا دی۔ گاؤں کے باشندے اونچی پہاڑی پر کھڑے اپنے جلتے ہوئے گھروں کو دیکھ رہے تھے اور ان میں سے بعض اس پہاڑ کو دشمن کے گھوڑوں کی زسائی محفوظ رکھ کر سپاہیوں کو برا بھلا بھی کہہ رہے تھے۔ راجہ کے سپاہیوں کے لیے دشمن کی یہ جرات ایک نئی بات تھی۔ ان کے سالار نے انہیں گھوڑوں سے اتار کر ان لوگوں کے تعاقب کا حکم دیا۔

جب پیدل سپاہی پہاڑی پر چڑھنے لگے تو یہ لوگ سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے لیکن ایک نوجوان کو غیرت آئی اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جب سپاہی ایک خطرناک دھلوان پر پہنچ گئے تو اس نے پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ ان کی آن میں بندھ بیس سپاہی چپت ہو کر نیچے لڑھک گئے اور ان کے دوسرے سالار نے بلندی کا رخ کرنے کی بجائے نیچے اتارنا بہتر خیال کیا۔

دوسرے لوگوں نے دوز سے یہ منظر دیکھا تو بھلی کی تیزی کے ساتھ اس ماں کی تمام پہاڑیوں پر چھا گئے اور اس تنگ وادی کی ہر دھلوان سے پتھر لڑھکنے لگے۔ سپاہی دشمن کے اس غیر متوقع حملے سے بدحواس ہو کر اپنی اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگے لیکن باقی اس تنگ وادی سے نکلنے کے تمام راستوں پر قابض ہو چکے تھے۔

رات کے وقت جب بے رام اپنی فوج کے تمام افسروں کی کارروائی سن رہا تھا تو اسے ان سو بہادروں میں سے صرف چار کے زخمی ہو کر واپس ہونے کی اطلاع ملی۔

(۲)

تھوڑوں کے مقابلے میں پتھروں کی پہلی نشان وارمنج نے ان لوگوں پر ایک جادو کا سا اثر کیا اور وہ یکے بعد دیگرے اس نوجوان کے گرد جمع ہونے لگے۔ انہوں نے نشیب کے قابل گزر علاقوں کی باقی تمام بستیاں بھی خالی کر دیں اور دشوار گزار پہاڑوں کے درمیان ایک وادی کو اپنا مرکز بنا لیا۔ چند نوجوان اس وادی سے نکل کر دُور دُور تک چکر لگاتے اور اگر اپنی قوم کا کوئی گروہ نظر آتا تو اسے اس وادی میں لے آتے۔

بے رام طاقت کے نشے میں چور تھا اس نے چند سپاہیوں کے نقصان کو کوئی اہمیت نہ دی اور بلا تامل اپنے پورے لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ کئی اچھڑی ہوئی بستیوں کو جلانے کے بعد ایک دن بے رام کی فوج ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہی تھی کہ اوپر سے اچانک پتھر برسنے لگے۔ بے رام نے بدحواسی کی حالت میں پہاڑی کی چوٹی پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن وہ مقام بھی وہ ناواقفیت کی بنا پر پہاڑی کی چوٹی سمجھتا تھا ایک اونچے پہاڑ کی دھلوان تھی۔ وہ ایک تھائی فوج کی قربانی کے بعد اس مقام تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جہاں سے پتھر آ رہے ہیں قبضہ کرنے کے لیے اسے دو گنا اور اوپر جانا پڑے گا۔ پتھروں کی بارش اچانک ختم گئی اور بے رام نے سمجھا کہ دشمن کو اس کی کثرت نے مرعوب کر دیا ہے چنانچہ اس نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا لیکن اس کے سپاہی مشکل سے کوئی سو گز اوپر چڑھے تھے کہ دشمن زیادہ جوش و خروش سے پتھر پھینکنے لگے۔ بلند پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکتا ہوا ایک پتھر کسی چھوٹے چھوٹے پتھر اپنے ساتھ لے آتا اور ایک سپاہی گرتے وقت اپنے ایک دو اور ساتھیوں

کو بھی نیچے لے جاتا۔

فوج کی افراط فری نے جسے رام کے حواس مغل کر دیے اور اس نے سپاہیوں کو نیچے اترنے کا حکم دے دیا اس وقت تک جسے رام کی قریباً اسی فوج تباہ ہو چکی تھی۔ ایک پتھر جسے رام کے سر پر لگا اور وہ تین اور سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیے لڑھکتا ہوا ایک کھڑے میں جاگرا۔

سیدنا پتی کی موت سے سپاہیوں کے سہے سہے اوسان خطا ہو گئے کسی کو پتھر لگا، کسی کا پاؤں پھسلا اور کسی کو اپنے ساتھ لگا۔ غرض سیدنا پتی کے علاوہ ڈیڑھ ہزار سپاہی موت کی نیند سو گئے۔ چار یوم کے بعد دھرم پور کے ہر گھر سے رتنے اور پٹینے کی آوازیں آرہی تھیں

(۱۳)

راجہ گزشتہ چند مہینوں میں جسے رام کی کامیابیوں کے متعلق نہایت حوصلہ افزا خبریں سن چکا تھا اور پروہت کی بارگاہ سے جتا چکا تھا کہ جسے رام کو سیدنا پتی بنانے میں دیوتاؤں کی مرضی شامل تھی۔ وہ ہر نئی خوش خبری کے بعد راجہ کے سامنے اپنے یہ الفاظ دہراتا۔ مہاراج! اگر آپ رام کو اس مجرم پر بھیجتے تو اتنی شاندار کامیابیاں حاصل نہ ہوتیں۔

راجہ نے تازہ شکست اور تباہی کا حال سن کر اپنے تمام درباریوں کی طرف جو اپنے کسی نہ کسی عزیز کی موت پر افسوس بہا رہے تھے، دیکھا اور اس شکست کی تمام ذمہ داری بد نصیب پروہت کے سر نقویں دی۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ کیسے پروہت جی! اب دیوتاؤں کی کیا مرضی ہے؟ جس راجہ کے سر پر آپ

جیسا پروہت ہوا سے تخت و تاج چھوڑ کر کسی جھگڑے میں چلے جانا چاہیے۔ آپ نے ہمیشہ ایسی جگہ اپنی ٹانگ اڑاتی جہاں دخل دینے کا آپ کو کوئی حق نہ تھا کیسے اب ان لوگوں کو کیا جواب دوں؟

پروہت نے ناوم سا ہو کر جواب دیا۔ "مہاراج! بھگوان کی یہی مرضی تھی۔" راجہ نے برہم ہو کر کہا۔ "خوب! بھگوان کی یہی مرضی تھی کہ اس کے دھرم کی رکھشا کے لیے لڑنے والے سپاہیوں کی قیادت ایک گڑھے کے سپرد کر دی جائے" کیا بھگوان کی مرضی یہی تھی۔ کہ ہماری رعایا سے ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں۔ نہیں یہ بھگوان کی مرضی نہ تھی۔ ان سب کا باپ تمہارے سر ہے۔ پروہت نے ملتجی نگاہوں سے سرداروں کی طرف دیکھا۔ ایک سردار نے کہا۔ "مہاراج! اب آپس میں جھگڑنے کا وقت نہیں۔ دشمن سے انتقام لینے کا وقت" راجہ نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ "کیسا انتقام؟ آج تم اپنے عزیزوں اور دوستوں کی تباہی کا حال سنتے ہو تو تمہارے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی قوم کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل ہوتے دیکھا تھا کب تک خاموش رہ سکتے تھے؟ کاش! تم سکھ لہو کے مشورہ پر عمل کرتے اور ان لوگوں کو خواہ مخواہ دشمن بنانے کی بجائے ان کی طرف درستی کا ہاتھ بڑھاتے لیکن تم لوگ دشمن کے خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے اور دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو موقع آنے پر اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتا۔ جب موقع تمہارے ہاتھ آیا تو تم نے ان پر ہر طرح ظلم روا رکھا اور جب انہیں موقع ملا وہ تم پر رحم کیوں کرتے؟ وہ ایک مرتیر رحم کر کے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے سکھ لہو کو ڈوبنے سے بچایا، تم نے اس کا کیا صلہ دیا۔ سکھ لہو کی رگوں میں ایک کھنٹری کا خون تھا وہ دشمن کے احسان کا بدلہ ظلم سے کیسے دے

سکتا تھا۔ لیکن تم نے اور تمہارے پروہت نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس پر طرح طرح کے الزام تراشی کئے۔ اس کے لیے موت کی سزا تجویز کی گئی۔ یہ بھی دیکھنا ہی کی کہ پاتھی کہ وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ لیکن تم میں سے کون ہے جو اس کی جگہ لے سکتا ہے کیا وہ اتنی جس نے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کے شوق میں ڈیڑھ ہزار نوجوان ہلاک کر دیئے اس قابل تھا کہ اسے سینا پتی بنایا جاتا ہے؟

سردار کو راجہ کی گرجتی ہوئی آواز نے خاموش کر دیا۔ لیکن پروہت کے لیے یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں۔ اس نے کہا:

”ہمارا راجہ میں جانتا ہوں کہ اس خبر نے آپ کو بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ لیکن آپ نہیں جانتے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ میں سکھ دیو کا دشمن نہ تھا لیکن دھرم کی حفاظت میرا فرض تھا۔ دھرم کسی کو بیچ ذات دشمن کے ساتھ اس قدر گھل مل جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ دھرم ایک کھستری کو بیچ ذات لڑا کی کے ساتھ پریم کی اجازت نہیں دیتا۔ سکھ دیو نے دھرم کی توہین کی اور دھرم کا محافظ ہونے کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ اس کی سزا تجویز کروں۔ اگر وہ میرا بیٹا بھی ہوتا تو بھی میں اس کے لیے بھگوان کو ناراض نہ کرتا۔“

راجہ نے کہا: ”اگر اس کی سزا سے بھگوان عویش ہوتا تو وہ یقیناً جان بچا کرنے بھاگ جاتا۔“

پروہت نے کہا: ”ہمارا راجہ ہو سکتا ہے کہ بھگوان نے اسے کسی زیادہ بڑی سزا کے لیے زندہ رکھا ہو۔“

راجہ نے جھنجھلا کر کہا: ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھگوان بھی کوئی تمہارے جیسا ہے۔ چونکہ بھولتا ہے اور نہ معاف کرتا ہے۔“

پروہت اس بات کا جواب سوچ رہا تھا کہ رام داس دربار میں داخل ہوا

اور اس کی پریشان صورت نے تمام حاضرین دربار کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ رام داس نے کہا: ”ہمارا راجہ! محل کے باہر بہت لوگ جمع ہوئے ہیں آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل کر انہیں تسلی دیں۔“

راجہ نے جواب دیا: ”پروہت جی کو لے جاؤ۔ میں اپنی پر جا کو مزہ نہیں دکھا سکتا۔“

ایک بوڑھے سردار نے کہا: ”ہمارا راجہ! چونکہ اسوہو آپ کو ایسی باتیں سب نہیں دیتیں۔ آپ ہمت کیجئے۔ دشمن سے بدلہ لینے کے لیے ہماری تلواریں حاضر ہیں۔ بہادر بدنامی کے داغ آنسوؤں سے نہیں۔ خون سے دھوتے ہیں۔“

راجہ نے تلخ ہو کر کہا: ”پھر وہی بات۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بدلہ کیسے لے سکتے ہو؟“

سردار نے کہا: ”ہمارا راجہ! ہمارے پاس اب بھی دو ہزار سپاہی موجود ہیں۔ اور اگر تم کو شمش کریں تو اتنے اور جمع کر سکتے ہیں۔ ہماری شکست کی وجہ صرف یہ تھی کہ دشمن نے دشوار گزار پہاڑیوں سے فائدہ اٹھایا اور نہ میدان میں ہمارا ایک سپاہی ان سب کو بھیر لڑوں کی طرح ہانک سکتا ہے۔“

راجہ نے جواب دیا: ”بہت اچھا۔ تم پروہت جی کو ساتھ لے جاؤ اور دشمن سے المتجا کرو کہ وہ پہاڑوں کو چھوڑ کر میدان میں آجائے کیونکہ ہم اس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اگر وہ تمہاری بات مان لے تو میری باقی فوج حاضر سے ورنہ ان پہاڑوں سے کہو کہ تمہارے راستے سے ہٹ جائیں۔“

سردار نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا: ”ہمارا راجہ! اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ پروہت کی وجہ سے ہوا تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ وہ آئندہ ایسے معاملات میں دخل نہ دیں گے۔“

راجہ نے ذرا نرم ہو کر جواب دیا۔ تمہیں یہ کہنے سے پہلے پروہت بھی مشورہ کر لینا چاہیے تھا مجھے ڈر ہے کہ یہ اپنی عادت تبدیل نہیں کریں گے۔ بد نصیب پروہت کو اپنی جان چھڑانے کی تدبیر نظر آئی اس نے کہا:-
”مہاراج! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کی کسی بات میں دخل نہ دوں گا۔“

راجہ کے جیسے یہ ایک بہت بڑی مستحق تھی۔ تخت نشینی سے لے کر اب تک اسے یہ تلخ احساس کھانے جا رہا تھا کہ حکومت کا صحیح اقتدار اس بڑی موچھو والے برہمن کے ہاتھ میں ہے اور اس کی حیثیت پروہت کے ہاتھوں میں ناچنے والی ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں اور اس کی ہر خواہش اور ہر ارادہ پروہت کی رضامندی کا محتاج ہے۔ پروہت کے اعتراف شکست سے اس کے غصے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اس نے اپنی مسرت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

”شاید تم سمجھتے ہو کہ شکست نے مجھے بزدل بنا دیا ہے۔ نہیں میں دشمن پر فتح حاصل کروں گا۔ لیکن یہ فتح ایسی نہ ہوگی کہ دشمن چار ماہ کے بعد پھر سر اٹھانے کے قابل ہو سکے۔ میں ایک ایسی فتح حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ دشمن صدیوں تک سر نہ اٹھا سکے۔ یاد رکھو! ہم تلواروں اور نیزوں کے بل بوتے پر دشمن کو ایک عرصہ کے لیے مغلوب رکھ سکتے ہیں لیکن اس پر دائمی غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہماری ریاست میں ہزاروں اچھوت آباد ہیں۔ یہ لوگ بھی کسی زمانے میں ہمارے دشمنوں کی طرح آزاد تھے۔ اگر ہمارے باپ دادا بھی ایسے پروہتوں کی مرضی پر چل کر ان پر خواہ مخواہ ظلم کرتے تو یہ لوگ آج ہمارے پُر امن غلام نہ ہوتے۔ اگر ان کی بھونپڑیاں جلانی جاگیاں یا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا جاتا تو یہ بھی کہیں پناہ لے کر ہم سے انتقام لینے کی کوشش کرتے لیکن ہمارے بزرگوں نے ان لوگوں پر فتح حاصل کرنے کے

بعد ان پر ظلم کرنے کی بجائے انہیں اپنی پناہ میں رکھا۔ ان کو اپنے شہروں کے پاس بستیاں تعمیر کرنے کی اجازت دی اور یہ ان کے اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج یہ لوگ ہمیں اپنا دشمن سمجھنے کی بجائے ہماری غلامی میں فخر محسوس کرتے ہیں اور ہمیں اب یہ سنی دیتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ ہم انہیں کنوؤں کی طرح ذلیل سمجھتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا احساس تک نہیں رہا۔ بار بار فتنہ چھو کر شاید انہیں ہم اپنے جیتے جاگتے دشمن بنا لیتے لیکن ہمارے بزرگوں کی تھپکیوں نے انہیں موت کی نیند سلا دیا ہے۔ میں اپنے نئے دشمن پر بھی اسی قسم کی فتح حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر پروہت بھی کچھ عرصہ خاموش بیٹھے ہے تو مجھے یقین ہے کہ اپنے اس مقصد میں کامیابی ہوگی۔“

راجہ کی موثر تقریر نے سب کو مسحور کر دیا اور تمام سردار ایک زبان ہو کر اس کے تدبیر کی تعریف کرنے لگے۔

بڑے سردار نے کہا: مہاراج! اگر آپ کا یہ ارادہ ہے تو آپ جو جی میں آئے کیجئے ہم آپ کی باتوں میں کسی کا دخل برداشت نہیں کریں گے۔ پروہت دربار سے اپنے اقتدار کا جنازہ نکلنا دیکھ رہا تھا لیکن اس میں لب ہلانے کی جرأت نہ تھی۔

راجہ نے سرداروں کی طرف سے مطمئن ہو کر پروہت کی طرف دیکھا اور کہا: پروہت جی! مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی میرے خیالات سے اتفاق ہوگا۔ پروہت نے جواب دیا: بھگوان آپ کے ارادوں میں برکت دے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ دھرم کی سیوا کریں اور میں آپ سے اختلاف رکھوں!

راجہ نے رام داس کی طرف دیکھ کر کہا: بہت اچھا رام داس! آج سے

تم میری فوج کے سینا پتی ہو تمہیں آج ہی دریا عبور کرنا ہوگا۔ شہر میں جس قدر فوج ہے لے جاؤ دشمن پہاڑوں سے نیچے اتر کر مقابلہ نہیں کرے گا۔ تم بھی فی الحال آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔ دور کے اونچے پہاڑوں پر برف باری شروع ہونے لگی تو دشمن خود بخود مجبور ہو کر نیچے اترے گا۔ لیکن تمہارا کام اسے نشتر چھو کر بیدار کرنا نہیں۔ تھکیاں دے کر سلانا ہے۔ میں تمہیں بہت بڑی ذمہ داری سپرد رہا ہوں۔

رام داس نے راجہ کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا: "ہمارا راجہ مجھے معلوم ہے۔"

تھوڑی دیر بعد جب دربار برخواست ہوا تو راجہ نے رام داس کو وہاں ٹھہرا لیا اور کہا:

"ایک بات کا خاص خیال رکھنا اور وہ یہ ہے کہ کسی پر دہشت کو اپنے سر پر نہ چڑھا لینا۔ برہمنوں نے وہاں ابھی سے کالی دیوی کے مندر کی تعمیر شروع کر دی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کے کسی آدمی کا بلیڈان ساری قوم کو بھڑکایا جائے۔ خلاف مشتعل کر دے۔ میں سینا پتی کے عہدہ کے علاوہ اس علاقے کی سرداری بھی تمہیں سونپتا ہوں۔"

نیا سردار

وقت گزرتا گیا۔ سکھ دیو کو ان لوگوں کے درمیان ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ دنیا کی ہر وہ نعمت جس کی اس سادہ اور معصوم ماحول میں تمنا کی جاسکتی تھی قدرت نے اسے عطا کر رکھی تھی۔ سماج کے خلاف نفرت اور خفارت کا جو طوفان وہ اپنے دل میں لے کر آیا تھا آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اس کے دل میں وہ امنگیں، وہ ارادے اور وہ دلوں کے جو ایک زبردست اور انصاف پسند طاقت کے تختی نے پیدا کیے تھے زندگی کی بڑھتی ہوئی دلچسپیوں میں دب کر رہ گئے۔

سکھ دیو کے دماغ سے مسادات انسانی کے اصول پر ایک نئی دنیا بسانے کا خیال مٹ چکا تھا اور اس کی تمام آرزوئیں اور تمناؤں میں ایک کم سن لڑکے اور ایک ننھی لڑکی تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ سکھ دیو نے لڑکے کا نام مادھو اور لڑکی کا نام شاننا تجویز کیا تھا۔

کنول مادھو کو اٹھا کر بار بار سینے سے لگاتی اور سکھ دیو سے کہتی دیکھیے! اس کی شکل بالکل آپ سے ملتی ہے۔

سکھ دیو شاننا کو گود میں لے کر بیٹھ جاتا اور اس کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہتا: دیکھو کنول! اس کی ناک اس کی آنکھیں، اس کی پیشانی اور اس کے ہونٹ بالکل تمہاری طرح ہیں۔

پھر وہ گھسٹہ آتا اور مادھو بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا۔ شاننا جو

اس سے دو سال چھوٹی تھی اور ابھی چل بچھ بھی نہ سکتی تھی۔ زمین پر بیٹھے بیٹھے
 "چا... چا" کہہ کر ہاتھ پھیلا دیتی۔ وہ ان دونوں کو اٹھا کر چارپائی پر بیٹھ جاتا
 انہیں خوش کرنے کے لیے ہنسی بجاتا اور ہنسانے کے لیے بکری، گیدڑ اور بھینسوں
 کی بولیاں بولتا۔ اور وہ جواب میں اس کے کان پکڑ کر کھینچتے اور بال نوچتے کنول
 ہر بار کہتی: "بھیا بھو! تم انہیں شریر بنا دو گے" اور وہ ہر بار ہنسنے کو یہ جواب
 دیتا: "ہن کنول! اپنے شریر ہی اچھے ہوتے ہیں۔ میں خود بھی اس سویر میں بڑا شریر
 ہتا۔"

موتی آتا اور مادھو کو اپنے گھر لے جاتا اور جب مادھو اس کے گھر میں کھیل
 کو دسے آتا جاتا تو خود ہی آکر چھوڑ جاتا۔

آٹھ سال کی عمر میں مادھو ایک گدھے پر سوار ہو کر سکھ لیا اور مادھو کے ساتھ
 باہر چلا جاتا اور شام تک ان کے ساتھ چڑا گاہوں میں گھومتا پھرتا۔

مادھو اسے جھیل میں تیرنے اور ختوں پر چڑھنے اور ہنسی بجانے کی تعلیم
 دیا کرتا تھا اور سکھ لیا اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی ٹسی کمان دے کر اسے تیر اندازی
 سکھایا کرتا۔ شانتا اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ جھیل کے کنارے جھول لگا
 کرتی تھی۔

(۲)

موتی بہت بولتا اور چکا تھا اور اکثر بیمار رہتا۔ بیماری کی حالت میں جہاں
 تک اس سے ہو سکا۔ سرداری کے فرائض پورے کرتا رہا اور جب طاقت جوڑ
 دینے لگی تو بہت سے معاملات میں سکھ لیا سے مدد لینے لگا۔

نام بستوں کے چرواہوں نے اپنی اپنی حدود مقرر کر رکھی تھیں، اور
 ماہی گیروں نے بھی شکار کے لیے جھیل کو آپس میں تقسیم کر رکھا تھا۔ کھیتی باڑی
 کرنے والے ان لوگوں میں بہت کم تھے اور ان کے آپس میں جھگڑے بھی کم
 ہوتے تھے لیکن چرواہوں اور ماہی گیروں کے درمیان کبھی نہ کبھی چڑا گاہوں
 اور شکار گاہوں کی تقسیم پر جھگڑا ہو جاتا اور تمام سردار اپنی اپنی بستی کے لوگوں
 کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس قسم کے تمام مقدمات میں موتی کا
 فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا۔ جب کام کرنے کی ہمت نہ ہوتی تو وہ ایسے معاملہ
 سکھ لیا کے سپرد کر دیتا۔

سکھ لیا کی انصاف پسندی اور معاملہ فہمی عوام کو اس کا گرویدہ بنا چکی تھی
 لیکن دوسری بستیوں کے بعض سردار جو موتی کے بعد بڑا سردار بننے کا خواب دیکھ رہے
 تھے۔ سکھ لیا کے خلاف اپنے دلوں میں حسد اور بغض کے جذبات پرورش پارتے
 تھے۔ ان سرداروں میں سے رامو اور سورج کے لحاظ سے موتی سے دوسرے
 درجے پر تھا اور وہ اپنی زندگی کے ایک بلند مقصد کے حصول کے لیے ان لوگوں
 کا سردار بننے کے لیے بے قرار تھا اور نہایت بے تابی سے موتی کی موت کا
 انتظار کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ دوسرے سردار اس کے مقابلے میں سر
 نہیں اٹھائیں گے لیکن سکھ لیا کی طرف سے اسے اطمینان نہ تھا۔

سکھ لیا کے دل میں موتی کا حیا نشین بننے کا خیال تک نہ تھا وہ محض موتی
 کی مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

زندگی کے آخری ہفتوں میں موتی کی بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ اس کے
 لیے کسی سہارے کے بغیر بستے سے اٹھ کر بیٹھنا بھی محال تھا۔ لوگ جوق و جوق
 اس کی عیادت کے لیے آتے۔ کنول اور سکھ لیا کو ہر وقت اس کے قریب دیکھ

کران میں سے اکثر ان کی عملی ہمدردی کے قائل ہوتے لیکن چند لوگ جو رامو کے ہم خیال تھے اسے صرف ظاہر داری سمجھتے۔

سکھدیو رامو کے متعلق یہ سن چکا تھا کہ اس کا باپ موتی سے پہلے ان لوگوں کا بڑا سردار تھا۔ باپ کی موت کے بعد لوگوں نے رامو کو اپنا سردار بنانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن جس روز یہ فیصلہ ہوا اس سے اگلی رات رامو نے ایک چرواہے کی بیوی کی عصمت پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور اس کی چیخ پکار سے بستی کے لوگ جمع ہو گئے۔ اگلے روز سرداروں کی پنچائت نے اسے دس سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور موتی کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ رامو نے جلا وطنی کے دس سال کہاں گزارے، یہ کسی کو علم نہ تھا لیکن دس سال کے بعد وہ جب واپس لوٹا۔ یہ لوگ پرانی بخش بھول گئے موتی نے بھی اس کا قصور معاف کر دیا اور ایک چھوٹی سی بستی کے سردار کی موت کے بعد اسے سردار بنا دیا۔

رامو جب کبھی سکھدیو سے ملتا۔ دیویوں اور دیوتاؤں کے قصے بے بیٹھتا سکھدیو اس کی باتوں سے بیچسوس کرتا تھا کہ وہ اپنی جلا وطنی کے زمانے کا کچھ اونچی ذات والوں کے کسی شہر کے قریب گزار چکا ہے۔ رامو سماج کے بڑے بڑے دیوتاؤں کے نام جانتا تھا اور ان کا احترام بھی کرتا تھا۔ ان لوگوں میں رامو ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے سکھدیو کی داستانی نہایت انہماک کے ساتھ سنی اور باختتام پر سکھدیو کے خیالات کی عظمت کا اعتراف کرنے کی بجائے اس کی بد نصیبی پر افسوس ظاہر کیا اور کہا "سکھدیو افسوس تم آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی پر آگے ہو۔ تم بد نصیب ہو۔"

آسن پاس کی بستیوں میں رامو کی بہت شہرت تھی۔ وہ عجیب و غریب کہانیاں سنا کر سادہ دل چرواہوں کو اپنا گرویدہ بنا چکا تھا۔ یہ لوگ ہر عجیب

کی طرف متوجہ ہونے کے عادی تھے لیکن سکھدیو کی آمد کے بعد رامو پر محسوس کرنے لگا، کہ اس کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کم ہو رہی ہے۔ شام کے وقت عورتوں اور مردوں کی مجلس میں اپنی کہانیوں کی بجائے سکھدیو اور کنولی کے متعلق سنتے سنتے افسانے سن کر اس کے دل میں حسد اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی۔ موتی اگرچہ بیماری اور بڑھاپے سے لاعلم ہو چکا تھا تاہم اس کے ساتھ لوگوں کی عقیدت میں فرق نہیں آیا تھا اس لیے سردار کو سر بات میں سکھدیو کی حمایت کرتے دیکھ کر رامو کو سکھدیو کے ساتھ کھلی دشمنی کی جرات نہ ہوتی تاہم اسے اطمینان تھا کہ سردار کی موت کے بعد اسے اپنے راستے سے یہ پتھر ہٹانے میں وقت پیش نہیں آسکی۔ کئی ہفتے زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد بڑھاپا سردار ایک شام چل بسا۔

(۱۳۱)

صحیح ہوتے ہی تمام بستیوں کے لوگ اپنے اپنے سرداروں سمیت موتی کی موت پر اظہار افسوس اور نئے سردار کے انتخاب کے لیے پیل کے درختوں کے درمیان ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر مرنے والے کی خوبیاں بیان ہوئیں اور اس کے بعد نئے سردار کے انتخاب کے متعلق بحث چھوڑ کر پندرہ سالوں نے یک زبان ہو کر رامو اور چند نے سکھدیو کا نام پیش کیا۔ رامو کے طرف دار یہ کہتے تھے کہ وہ ہماری قوم کا آدمی ہے۔ اس کے باپ دادا سردار تھے اس لیے اس کا حق کسی غیر کو نہیں دیا جاسکتا۔ سکھدیو کے طرف دار یہ کہتے تھے کہ جو بیٹا اس میں ہیں وہ رامو میں نہیں۔ وہ بڑے راجہ کی فوجی کا سردار رہ چکا ہے۔ وہ

حکومت کرنا جانتا ہے اس کو سردار بنا کر ہم بہت سکھ پائیں گے۔
 آہستہ آہستہ یہ بحث سرداروں کی مجلس سے نکل کر عوام تک پہنچ گئی۔
 سرداروں میں سب سے زیادہ رامو اور عوام میں سب سے زیادہ بدھو کی
 آواز بلند تھی۔ بدھو صرف اتنا جانتا تھا کہ سکھ دیو کے سوا اور کوئی شخص سردار ہو
 ہی نہیں ہو سکتا۔ سرداروں کا جڑ گراس کے لیے بے معنی تھا۔ ادھر سرداروں میں سے
 کسی نے سکھ دیو کا نام لیا اور اس کے مزے سے بے اختیار لکل گیا۔ ہمارا سردار سکھ
 دیو سے سکھ دیو! سکھ دیو!
 سکھ دیو کے طرف دار اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور چاروں طرف سے
 سکھ دیو کے حق میں نعرے بلند ہونے لگے۔

رامو کے حامیوں نے بھی زبان کی تلواریں بے نیام کیں۔ لیکن وہ تعداد میں کم
 تھے اور ان کی آواز بدھو کا ساتھ دینے والوں کے نعروں میں دب کر رہ گئی۔ رامو
 نے اٹھ کر ان سے سرداروں کے فیصلے تک خاموش رہنے کی درخواست کی لیکن ان
 پر کوئی اثر نہ ہوا۔ رامو نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اونچی آواز میں کہا:
 ”بھائیو! ہم جانتے ہیں کہ تم سکھ دیو کو اپنا سردار بنا نا چاہتے ہو لیکن میری
 بات سنو۔ میرے خیال میں سکھ دیو ایک اچھا آدمی ہے لیکن وہ ہماری قوم کا نہیں
 ہم اس بات کا فیصلہ کر رہے ہیں کہ ایک غیر قوم کا آدمی ہمارا سردار ہو سکتا ہے یا نہیں
 جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوتا تم غبر کرو۔ تم یہ اطمینان رکھو کہ ہم سب سکھ دیو کی عزت
 کرتے ہیں لیکن اگر سرداروں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ دوسری قوم کا آدمی ہمارا سردار نہیں
 ہو سکتا تو ہمیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔“

لوگ بیٹھ گئے اور سرداروں کی بحث شروع ہو گئی۔ عوام کی طرح سرداروں
 کی اکثریت بھی سکھ دیو کے حق میں تھی جب رامو کے ساتھی چاروں طرف سے رامو

ہو کر گالی گلوچ پراتر آئے تو سکھ دیو کے حامیوں نے اس کے جواب میں لاٹھیاں
 اٹھالیں۔ یہ حالت دیکھ کر سکھ دیو جو ابھی تک ایک طرف کھڑا تھا لوگوں کو ادھر
 ادھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور چوتھے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”بھائیو! اس نے بلند آواز میں کہا ”مجھے ڈرنے کو تم اس شخص کے لیے
 لڑ رہے ہو جسے تمہارا سردار بننے کا خیال تک نہیں۔ میں تمہارے پاس ایک بے پناہ
 مددگار مسافر کی حیثیت میں آیا تھا تم نے مجھے رہنے کو گھر دیا۔ کھانے پینے کی
 تمام چیزیں دیں تم نے ہمیشہ مجھے اپنا بھائی سمجھا لیکن میں یہ نہیں بھولا کہ میں
 اس بستی میں ایک غریب مسافر ہوں۔ میرے بھائی رامو اور کئی اور دوستوں کا
 یہ خیال ہے کہ مجھے تم لوگوں کا سردار بننے کی ہوس ہے لیکن یہ ان کی بھول ہے
 میں پہلے بھی تمہارا خادم تھا اور اب بھی۔ مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ
 تم میرے لیے آپس میں لڑو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی قوم میں سے کسی
 کو سردار بنا لو۔ میں ایک مسافر ہوں اور ضروری نہیں کہ تمام عمر اسی جگہ گزاروں۔“
 سکھ دیو کی تقریر کا آخری فقرہ سن کر بعض لوگوں کی آنکھیں پُٹم ہو گئیں۔
 ایک بوڑھے سردار نے اٹھ کر کہا ”ہم آپ کو کبھی نہیں جانے دیں گے اگر آپ
 ہمارا سردار بننے سے انکار کرتے ہیں تو اپنی مرضی سے کسی اور کو سردار بنا دیں۔
 ہم سب اس کا حکم مانیں گے۔“

اکثر سرداروں نے اس بات کی تائید کی۔ سکھ دیو نے یکے بعد دیگرے
 تمام سرداروں کی طرف دیکھا اور اس کی نگاہ رامو پر رک گئی۔ رامو کے دل کی
 بے چینی بڑھنے لگی۔ سکھ دیو مسکرایا اور کہنے لگا:

”بھائیو! اگر تمہیں میرا فیصلہ منظور ہو تو رامو کو اپنا سردار بنا لو۔“

تمام سرداروں نے سکھ دیو کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ رامو

کے سر پر سردار کی پگڑھی باندھی گئی لیکن وہ اپنے دل میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ
کامیابی کا سہرا سکھ دیو کے سر ہے۔ وہ لوگوں کے جسم پر حکومت کر سکے گا
لیکن ان کے دلوں پر بدستور سکھ دیو کا قبضہ ہے گا۔ سکھ دیو کی طرف
اسے ایثار اور مروت کے چھینٹے اس کے دل سے حسد کی آگ نہ بجھا سکے

رامو کی سرگزشت

رامو نے ایک سال کے اندر اندر یہ ثابت کر دیا کہ ان لوگوں کو اس لیے بہتر
سردار نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی سرداری کا زمانہ ان لوگوں کے لیے ایک نئے دور
کی ابتدا تھی وہ ماہی گیری اور گلہ بانی کی نسبت کاشت کاری کو زیادہ پسند کرتا تھا
چنانچہ اس کی ان تھک کوششوں سے جھیل کے کنارے بسے لے کر دریا کے
ساحل تک کے ایک وسیع علاقے میں جھگی درختوں کی بجائے لہلہاتی کھیتیاں
نظر آنے لگیں اور ان لوگوں میں پھیر بکریوں کی جگہ گائیں پالنے کا شوق بڑھنے لگا
رامو کو گھاس پھونس کی جھونپڑیوں سے نفرت تھی اس لیے اس نے اپنی قوم کو
مٹی کے گھر بنانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں بعض لوگ جھونپڑیوں
سے نکل کر مٹی کے کشتادہ مکانوں میں آباد ہونے لگے۔ لیکن اکثر نے اس معاملے
میں رجعت پسندی کا ثبوت دیا۔

سکھ دیو یہ سب کچھ ایک پرامن تاشائی کی حیثیت سے دیکھتا اور کسی بات
میں مداخلت نہ کرتا۔ موتی کی موت کے بعد ان لوگوں کے سیاسی معاملات میں اس
کی تمام دل چسپیاں ختم ہو چکی تھیں۔ لوگ بدستور اس کے پاس آتے اور رامو کی نئی
نئی اصلاحات کے متعلق اس کی رائے دریافت کرتے وہ انہیں صرف اتنا کہہ کر
ٹال دیتا کہ تمہارا سردار کچھ کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ سکھ دیو کے ساتھ ان کی دل چسپی کم

ہونے لگی اور وہ رامو کی نئی نئی اصلاحات کی طرف توجہ دینے لگے۔ رامو نے ہندو سماج کی ترقی کے افسانے سنا سنا کر ان لوگوں میں نئی انگلیں اور ولولے بیدار کر دیے اور لوگ اپنی موجودہ زندگی کو قابلِ رحم محسوس کرتے ہوئے اس کے اشاروں پر چلنے لگے۔

سکھدیو دیر تک یہی خیال کرتا رہا کہ رامو اپنی جلا وطنی کے زمانے میں کسی شہر میں اونچی ذات والوں کو عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہو چکا ہے اور وہ ان لوگوں کی حالت بہتر بنانے کی فکر میں ہے لیکن ایک دن رامو نے اس پر اپنے تمام ارادے ظاہر کر دیے اور سکھدیو کو اپنی زندگی کے پرسکون شہر میں کسی نئے طوفان کے آثار نظر آنے لگے۔

(۲)

دوپہر کے وقت سکھدیو اور بدھو جھیل کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے مادھو جھیل میں نہا رہا تھا۔ اس پاس بکریاں اور بھیڑیں چر رہی تھیں۔ بدھو نے دُور سے گدھے پر ایک سوار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر کہا: "بھیا! وہ دیکھو۔ شاید رامو آ رہا ہے۔"

سکھدیو نے بدھو کے اشارے پر اس طرف نظر دوڑائی اور دُور سے رامو کو پہچان کر بولا:

"شاید آج ایسے کوئی نئی بات سوچھی ہے۔"

رامو قریب پہنچ کر گدھے سے اترا اور سکھدیو کے قریب بیٹھے ہوئے

بولاً "بھائی! میں صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

سکھدیو نے پوچھا "کوئی خاص کام تھا؟"
میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتا تھا۔
"کس کے متعلق؟"

رامو نے بدھو کی طرف دیکھا اور کہا "بدھو! میں سکھدیو سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم ذرا دُور سے درخت کے نیچے چلے جاؤ۔"
رامو اور سکھدیو کچھ دیر خاموش بیٹھے ایک دُور سے کی طرف دیکھتے رہے
بالآخر رامو نے کہا:

"بھائی! تم جانتے ہو کہ میں اپنے لوگوں کی موجودہ حالت سے خوش نہیں ہوں اور مدت سے ان لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے طریقے سوچ رہا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ ہماری قوم کے ہزاروں انسان پہاڑوں، جنگلوں اور ویرانوں میں ماہے ماہے پھرتے ہوں اور اس ملک کے زرخیز اور شاداب میدانوں پر اونچی ذات والوں کا قبضہ ہو۔"

سکھدیو نے جواب دیا "اس بات کا مجھے بھی دکھ ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کو ہماری قوم سے بہت ہمدردی ہے لیکن آج

تک آپ نے ان لوگوں کی حالت بہتر بنانے کی کوئی تدبیر نہیں نکالی۔"

سکھدیو نے کہا "اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ کی قوم کے وہ تمام گدھے

جو دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اونچی ذات والوں کے

جنگ کر کے اپنے کھوئے ہوئے حقوق واپس لیں لیکن ان بکھرے ہوئے

دانوں کو ایک لڑائی میں پرونا میرے با آپ جیسے کسی انسان کا کام نہیں

اس قوم کے بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنی بد حالی کا احساس ہے

لیکن لاکھوں ایسے ہیں جو ہندو سماج کے سائے میں ایک ذلیل زندگی بسر کرنے

کے باوجود خوش ہیں اور وہ اپنے کھوئے ہوئے حقوق کے لیے جنگ کرنے کا خیال بھی پاپ سمجھتے ہیں۔

رامون نے جواب دیا "میں یہ نہیں چاہتا کہ سماج والوں سے جنگ کی جائے مجھے یقین ہے کہ ہم تمام مل کر بھی ان پرستخ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ لوگ تو اپنی کی بوجھ کرتے ہیں اور یہ طاقتور دیتا اپنے بچاریوں پر کسی کو غالب نہیں آنے میں گئے آپ اگر ان دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتے تو اور بات ہے لیکن آج میں آپ کے سامنے اپنی زندگی کا وہ واقعہ بیان کرتا ہوں جو آج تک میں نے کسی اور کو نہیں سنا۔ آپ یہ سن چکے ہیں کہ ان لوگوں نے مجھے جلا وطن کر دیا تھا۔ میں نے چند عینے اپنی قوم کے چرواہوں کی مختلف بستیوں میں چکر لگانے کے بعد دریائے راوی عبور کیا اور کئی دن سفر کر کے ایک بستی میں پہنچا۔ اس بستی کے قریب اونچی ذات والوں کا ایک بڑا شہر آباد تھا۔ بستی کے لوگ ہماری قوم سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ اونچی ذات والوں کے غلام تھے اور شور و کھلاتے تھے۔ ان کی زندگی ہمارے کنوئوں کی زندگی سے زیادہ ذلیل تھی۔ ان کے کتے اونچی ذات والوں کے شہر میں جا سکتے تھے لیکن یہ اجازت نہ تھی۔ دور سے شہر والوں کے خوبصورت محل اور اونچے اونچے مندر دیکھ کر میرے دل میں ان لوگوں کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا اور میں نے اس بستی میں ڈیرا ڈال دیا کچھ عرصہ اس جگہ رہ کر مجھے معلوم ہوا کہ پڑوس کا شہر آباد ہونے سے کئی برس پہلے اس جگہ ان لوگوں کی بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ چراگا ہیں بہت اچھی تھیں۔ یہ لوگ آرام کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن ایک دفعہ اونچی ذات والوں کا ایک قافلہ آیا اور اس زمین کی زرخیزی اور شادابی دیکھ کر اسی جگہ آباد ہو گیا۔ چند برسوں میں انہوں نے تمام قابل کاشت زمین ان لوگوں سے چھین لی اور ان کے ہلے جھگل کا کچھ علاقہ چھوڑ دیا۔ ان میں سے اکثر اونچی

ذات والوں کے مظالم سے تنگ آ کر کہیں دور جا آباد ہوئے لیکن بعض اپنے آباؤ اجداد کا ہم بھومی سے چمپے رہے۔

اونچی ذات والوں کا کاؤں بڑھتے بڑھتے ایک شہر بن گیا اور ان لوگوں کی تمام بستیاں اجڑتے اجڑتے ایک بستی رہ گئی۔ یہ بستی بھی اجڑ جاتی لیکن شہر والوں کو برسات کے پانی کا سیلاب رونے کے لیے کبھی کبھی ان لوگوں کی خدمات کی ضرورت پڑتی تھی اس لیے شہر کے راجہ نے یہ حکم دیا کہ کوئی شور اس بستی سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے اگر کوئی جانا چاہے تو اسے اپنے ساتھ مویشی لے جانے کا حق نہیں۔ یہ حکم سن کر چند آدمیوں نے رات کے وقت فرار ہونے کی کوشش کی لیکن راجہ کے سپاہیوں کو خبر ہو گئی اور انہیں تعاقب کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ دو تین نوجوان جنہوں نے لڑ بھڑ کر مکمل جانے کی کوشش کی انہیں کالی موی کے مندر میں لے جا کر قتل کیا گیا۔ جو باقی تھے ان کا قصور اس شرط پر معاف کر دیا گیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔

اونچی ذات والوں کی نظر میں یہ لوگ ان جانوروں کا درجہ رکھتے تھے جنہیں ہم ضرورت کے وقت شکار کر لیتے ہیں لیکن ان کی نسل کو ختم کر دینا پسند نہیں کرتے۔ سال میں ایک دو مرتبہ ان لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی کسی اونچی ذات والے کی پوز تڑپا دے کوئی بھجن سن لینے یا سورج نکلنے سے پہلے اسے مزہ کھانے کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا اور کالی دیوی کو خوش کرنے کے لیے اس کا بلیڈان کر دیا جاتا۔

میں نے ان لوگوں کو اونچی ذات والوں کے خلاف بغاوت کے لیے اکسا کر کوشش کی لیکن مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ان سے نہیں بلکہ ان کے دیوتاؤں سے ڈرتے ہیں ان لوگوں کی زبانی دیوتاؤں کی طاقت کے متعلق عجیب و غریب کہانیاں سن کر میرے دل پر دیوتاؤں کا عجیب بیٹھنے لگا مجھے اس بات کا یقین

ہونے لگا کہ یہ لوگ چونکہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کے سامنے قربانیاں پیش کرتے ہیں اس لیے وہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ یقیناً ہمارا ساتھ بھی دیتے مجھے یہ خیال بھی آیا کہ شاید ہماری قوم بھی کسی زمانے میں ان دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہو اور اب انہیں بھلا دینے کی سزا بھگت رہی ہو کئی دن سوچتے کے بعد میرے دل میں سماج کے زبردست دیوتاؤں کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں ایک رات خواب میں دیوتاؤں کی عجیب و غریب صورتیں دیکھنے کے بعد اٹھ کھٹنے ہی دیوتاؤں کے قدموں تک پہنچنے کے راستے میں تمام خطرات اور رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے شہر کے مندر کی طرف چل دیا۔

(۳)

”ہر قدم پر میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میری بھئی ہوئی قوم میرے پیچھے آ رہی ہے اور بڑے بڑے دیوتا میری التجائیں سنتے اور میری قوم کے پچھلے گناہ مٹانے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ پچھلے پہر کا چاند نمودار ہو رہا تھا۔ راستے میں مجھے کئی بار خیال آیا کہ واپس لوٹ جاؤں لیکن میری ہمت نے میرے عزم کا ساتھ دیا اور میں ٹھہر ٹھہر کر سوچتا اور رک رک کر چلتا ہوا مندر کے قریب جا پہنچا۔

مندر سے باہر ایک کھلے میدان میں چند آدمی جو شاید مندر کے رکھوالے تھے گہری نیند میں غرائے رہے تھے۔ میں نے بے پاؤں مندر کے دروازے کے قریب پہنچ کر اندر جھانکا۔ ٹٹماتے ہوئے چراغ کی دھیمی روشنی میں مجھے عجیب و غریب صورتیں نظر آئیں۔ میں گھبر کر چیخے ہٹا اور چاہتا تھا کہ بھاگ جاؤں لیکن کوئی زبردست طاقت مجھے آگے دھکیل رہی تھی اور میں ڈرتے ڈرتے مندر کے

وسیع کمرے میں داخل ہو گیا۔

کچھ دیر بعد جو اس ہوکر دیوتاؤں کی عجیب و غریب صورتوں کی طرف دیکھتا رہا میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان دیوتاؤں میں سے کسی کے پاؤں پر سر رکھوں کہ اچانک میری نظر مندر کی بائیں دیوار کی طرف جا پڑی اور میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ سیاہ پتھر کے ایک چبوترے پر چند معمولی پتھر کی صورتوں کے درمیان سنگ مرمر کی ایک خوبصورت صورتی نصب تھی اس کے گلے میں مرجھائے ہوئے پھولوں کے مارستے اور پاؤں پر بھی پھولوں کا ڈبھیر لگا ہوا تھا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہی سماج والوں کا بھگوان اور یہی ان کی ترقی کا راز ہے۔ یہی وہ زبردست طاقت ہے جو اپنی پوجا کرنے والوں کو زندہ کرنے کے لیے خوب صورت عمل اور کھیتی باڑی کے لیے ندر خیز زمین دیتی ہے یہی وہ دیوتا ہے جس سے دور رہ کر ہم دنیا کی تمام نعمتوں سے محروم ہیں۔

میں اس دیوتا کے پاؤں پر سر رکھ کر اپنی بھئی ہوئی قوم کے لیے رحم کی درخواست کرنا چاہتا تھا لیکن میرے دل میں ایک ناخیاں آیا اور یہ خیال اچانک ایک خوفناک ارادے میں تبدیل ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ اس دیوتا کے ساتھ میری دعا میری قوم کے گناہ معاف نہیں کر سکتی۔ سب کی بھلائی کے لیے سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے لیکن میری طرح سب اس مندر میں نہیں آسکتے مگر میں اس دیوتا کی صورتی کو آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا ہوں۔ میری قوم کو اس کی ضرورت ہے وہ سماج کے شہر سے دور اس کے لیے ایک نیا مندر بنا سکتی ہے۔ دریا کے کنارے پھولوں کی کمی نہیں۔ ہم مرجھائے ہوئے پھولوں کی بجائے ہر وقت تازہ پھول اس دیوتا پر نچھاور کرتے رہیں گے اور دن رات اس کی پوجا کریں گے۔

سماج کے مندروں میں دیوتاؤں کی کمی نہیں وہ ایسی مورتیاں بنا نا جانتے ہیں اور بنا لیں گے۔ صبح ہونے والی تھی اور زیادہ سوچنے کا موقع نہ تھا میں نے آگے بڑھ کر دیوتا کے سامنے ہاتھ باندھ کر نایت عاجزی سے کہا۔

”بھگوان! میں جو رہی کر رہا ہوں لیکن تو جانتا ہے میری نیت بُری نہیں میں تجھے ہمیشہ خوش رکھوں گا میری قوم کو تیری ضرورت ہے۔“

یہ کہہ کر میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے مورتی کو ٹوٹنا شروع کیا۔ اسے ہلا کر دیکھا وزن زیادہ نہ تھا میں نے دل مضبوط کیا اور مورتی کو اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ ٹھٹھا ہوا چران بچھنے کو تھا میں نے جلدی جلدی چند قدم اٹھائے لیکن چوٹی میں نے مورتی اٹھائی اس کا سر چھت سے لگنے والی گھنٹیوں کے ساتھ جن کا میں نے بدحواسی کی وجہ سے خیال نہیں کیا تھا ٹکرایا اور کمرے میں ٹن ٹن کی جیب آواز گونج اٹھی میرا دل دہل گیا اور میں بدحواس ہو کر بھاگا لیکن میرا پاؤں دہلیز کے ساتھ ٹکرایا اور میں دیوتا سمیت منہ کے بل آگرا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کر کیا ہوا۔ جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں اونچی ذات کے سینکڑوں مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک کھلے میدان میں پڑا ہوں۔ میرے تمام کپڑے خون سے لہولہاں ہیں اور میرے پاؤں مضبوط رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ میں سماج والوں کی قید میں تھا۔ وہ غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن میرے کان ہزاروں زبانوں سے مندر مورتی۔ اچھوت۔ پانی اور مہاپانی کے الفاظ سن رہے تھے۔

میں دیر تک آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ پیاس سے میرا گلہ خشک ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر پانی مانگنا چاہا لیکن کسی نے زور سے کہا ”اچھوت! اگتا“ ابھی زندہ ہے اور مجھے پانی مانگنے کی جرات نہ ہوئی۔

شام تک میں وہیں پڑا رہا۔ پیاس مجھے نڈھال کر رہی تھی۔ ان کی غضب ناک نگاہوں سے مجھے رحم کی توقع نہ تھی ان کی شکلیں دیکھ کر مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ میرے لیے کوئی عبرت ناک سزا تجویز کر چکے ہیں۔

سورج غروب ہوتے ہی ایک بڑی بڑی موچھوں والا آیا۔ یہ لوگ ادب سے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے آتے ہی ان لوگوں سے کچھ کہا اور یہ تمام کالی ولوی، کالی دیوی، بیدان، بیدان کے نعرے لگاتے ہوئے چھوٹی چھوٹی ٹولہوں میں اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے اور تقوڑی ڈبے میں میدان خالی ہو گیا صرف چھ نیروں اور تلوادوں سے مسلح سپاہی میرے قریب کھڑے رہے۔

رات کے وقت چند آدمی مشعلیں لیے ہوتے آئے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے میرے پاؤں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ ایک شخص پانی کا برتن اٹھا لایا اور میرے قریب پہنچ کر میرے سر پر الٹ دیا۔ میں نے پانی کی دھار کے سامنے اپنا منہ کھول دیا۔ پانی کے چند گھونٹ پیتے ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک بار چھڑ زندہ ہو گیا ہوں۔ برتن کا پانی پاؤں کو حرکتا ہوا زمین پر بہ گیا میری پیاس ابھی کم نہ ہوئی تھی۔ میرے سامنے ایک چھوٹے سے گڑھے میں کچھ پانی جمع ہو گیا تھا میں نے منہ کے بل لیٹ کر اسے بھی ختم کر ڈالا۔

ایک سپاہی نے میری کمر میں نیزے کی نوک چھو کر مجھے اٹھنے کا حکم دیا۔ میرے لیے ان لوگوں کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اٹھا اور سپاہیوں کے اشارے پر ان کے ساتھ چل دیا۔ دو آدمی مشعلیں اٹھاتے میرے آگے آگے چل رہے تھے۔ تقوڑی دُور چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے پیچھے سپاہیوں کے علاوہ عورتوں، مردوں اور بچوں کی ایک خاصی تعداد آ رہی ہے۔

مجھے معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ چلتے چلتے میں نے اپنی جان بچانے کی ہزاروں تدبیریں سوچیں لیکن مجھے ان لوگوں سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تاہم میرا دل مجھے تسلیاں دے رہا تھا کہ تو مرے گا نہیں۔ کبھی میں سوچتا کہ شاید زلزلہ آجائے اور یہ لوگ بدحواسی کی حالت میں مجھے چھوڑ کر بھاگ جائیں کبھی میں یہ دعا کرتا کہ ہوا کا کوئی تیز جھونکا آئے اور مجھے اڑا کر لے جائے۔ کبھی چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں سماج کے دیوتاؤں کو مدد کے لیے پکارتا۔ مندر کے قریب پہنچ کر یہ لوگ کسی کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ ناقوس اور گھنٹوں کی صدا میں سن کر میرا دل دھڑک رہا تھا ہم مندر کے قریب زیادہ دیر کھڑے نہ رہے۔ وہی بڑی بڑی مونچھوں والا شخص جسے میں نے شام کے وقت دیکھا تھا۔ آیا۔ سپاہیوں نے مجھے چلنے کے لیے اشارہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں موت کے منہ کے بہت قریب پہنچ چکا ہوں اور کوئی طاقت مجھے اب بچا نہیں سکتی۔ میں نے اچانک یہ ارادہ کیا کہ میں بزدلوں کی طرح جان نہیں دوں گا اور مرنے سے پہلے آخری بار اپنی جان بچانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ زخمی ہونے کے باوجود میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میں ان موٹے اور بدصفت لوگوں کے مقابلے میں بہت طاقتور ہوں لیکن میرے ہاتھ خالی تھے اور صرف ٹانگیں تھیں جو میرا آخری سہارا بن سکتی تھیں۔

مندرجہ ذیل پاؤں رکھتے ہی بے شمار چراغوں کی تیز روشنی میں مجھے کالی دیوی کی مورتنی نظر آئی اور میرے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔ اس کا اندھیرا رات سے زیادہ تاریک چہرہ اس کی چمکتی ہوئی مہیب آنکھیں۔ اس کی دو ہاتھ لمبی زبان۔ میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرا جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ آج بھی اس کی شکل میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔

مجھے اس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی کسی عجیب غریب زبان میں کچھ گانے لگا۔ گاتے گاتے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک موٹا اور بد وضع شخص ایک بہت بڑا کلہاڑا اٹھا کر میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس نے پھر ایک نیا راگ شروع کیا اور گاتے گاتے دوسری بار کلہاڑا اٹھانے والے شخص کو ہاتھ کا اشارہ کیا اس نے کلہاڑا ابلن کیا۔

دنیا میں موت سے زیادہ خوف ناک شے کوئی نہیں۔ موت کے خوف کے سامنے کالی دیوی کا خوف جاتا رہا۔ میرا دل پھٹنے لگا۔ ایک آگ تھی جو میری رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ میں سبلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھا اور اپنے راستے میں نیروں اور تلواروں کے بلند ہونے سے پہلے ہی کسی کو دھکیلتا، کسی کو گرانا اور کسی کے اوپر سے پھاندتا ہوا مندر سے باہر نکل گیا۔

ایک سپاہی کا نیزہ میری ران پر معمولی سی خراش پیدا کرتا ہوا گزر گیا دوسرے کی تلوار سے میری کھوپڑی کھڑے ٹکڑے ہوتے بچ گئی۔ مندر سے باہر تارکی میں مجھے ایک لمحے کے لیے کچھ نظر نہ آیا۔ جو لوگ وہاں کھڑے تھے۔ بدحواس ہو کر میرے راستے سے ہٹ گئے اور جب وہ اپنے ہوش و حواس پر قابو پا کر میرے تعاقب میں دوڑے میں مندر سے کافی دور آچکا تھا۔ ایک سپاہی نے جو اپنے ساتھیوں سے تیز رفتار تھا مجھے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا وہ میرے پیچھے بھاگتا ہوا اپنے دوسرے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ میں نے کسی بار اپنا رخ بدلا لیکن جلد ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بچ نکلنا آسان نہیں۔ میرے ذہن میں فوراً ایک تدبیر آئی۔ میں نے اودھرا دھڑکنے کی بجائے سیدھا بھاگنا شروع کیا اور اپنی رفتار ذرا کم کر دی۔ جب میرے اور اس کے درمیان پانچ سات و دم کا فاصلہ رہ گیا اور اس نے حملہ کرنے کی نیت سے

تلوار اٹھائی تو میں اچانک رکا اور زمین پر ہاتھ ٹیک کر اس کے راستے میں بیٹھ گیا وہ عین وقت پر اپنی رفتار کم نہ کر سکا۔ اس کی ٹانگیں میرے جسم کے ساتھ ٹکرائیں اور وہ قلابازی کھاتا ہوا سر کے بل زمین پر آگرا۔ میں نے اٹھ کر بھاگنا شروع کیا اور دیر تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ تعاقب کرنے والوں کی آوازیں مجھے بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

باغوں اور کھیتوں کو عبور کرنے کے بعد میں نے ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ مندر کے آس پاس ابھی تک مشولیں لیے پھر رہے تھے۔ ٹیلے سے نیچے اترنے کے بعد دوڑنے کی ہمت نہ تھی اور میں عبور کی رفتار سے رات بھر چلتا رہا۔

پچھلے پہر جب چاند نمودار ہوا میں دریا کے کنارے پہنچ چکا تھا وہاں مجھے اپنی قوم کا ایک چرواہا ملا۔ اس نے مجھے دو وہ بلا یا۔ میں تھکاوٹ سے چوڑھا اور چلتا تھا کہ وہیں سو جاؤں لیکن مجھے اطمینان نہ تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ کالی دیوی ابھی تک میرا تعاقب کر رہی ہے اور اگر میں سو گیا تو میرا گلا گھونٹ ڈالے گی میں نے ذرا تازہ دم ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ تیرنے میں مجھے کافی مہارت تھی تاہم اب بھی مجھے بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کہیں کالی دیوی مگر چھین کر نہ آجائے دریا عبور کرنے کے بعد میں چھ دن ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ ساتویں روز اس جگہ پہنچ گیا۔

راموہیاں تک پہنچ کر رک گیا اور سکھ لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ سکھ لڑکی کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ راموہی خاموشی پر اس نے آہستہ ہی اسے سمجھیں اوپر اٹھائیں اور کہا: "ان باتوں کے باوجود تم سماج کے دیوتاؤں پر یقین رکھتے ہو۔"

راموہی نے جواب دیا: "میں نے ابھی بات پوری نہیں کی پہلے جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ سن لو۔"

اب میں ان تمام واقعات کے بعد صرف ایک بات پر یقین رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سماج والوں کی طاقت کارا ز سنگ مرمر کے خوب صورت دیوتاؤں میں نہیں بلکہ کالی دیوی کی مہیب مورتی میں ہے ممکن ہے کہ اچھے دیوتا بھی کسی طاقت کے مالک ہوں لیکن ہمارے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ کالی دیوی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ کالی دیوی انہیں اچھوتوں کو مغلوب رکھنے کا سبق دیتی ہے انہیں ہمارے ساتھ نفرت سے پیش آنا اور ہم پر ظلم کرنا سکھاتی ہے ہم اس وقت تک ان لوگوں کی برابری نہیں کر سکتے جب تک ہمارے پاس کالی دیوی جیسی طاقت نہ ہو جو ہمیں یہ سکھائے کہ اونچی ذات والے تمہارے دشمن ہیں۔ ان کے شہر کو رٹ لو۔ ان کی زمینیں چھین لو انہیں رستیوں میں جکڑ کر میرے سامنے قربان کرو۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اگر ہم پتھر کے ٹکڑے کو تراش کر کسی ڈراؤنی شکل میں تبدیل کر لیں تو اس میں زبردست طاقت بھی پیدا ہو جائے گی لیکن یہ دعویٰ ضرور کرتا ہوں کہ ہم اپنے یقین کے ساتھ اس میں ایک زبردست قوت پیدا کر سکتے ہیں اگر ہم بھی اپنی مورتیوں کے سامنے اپنے دشمن کو قتل کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس طرح ہم ان کے دیوتاؤں سے ڈرتے ہیں وہ بھی ہمارے دیوتاؤں سے نہ ڈریں۔ یہاں تک کہ کرا مارا موبوش میں آ گیا اور اپنا مٹکا بلند کرنے سے ہوتے اونچی آواز میں کہنے لگا: "سکھ لڑکی! اسکھ لڑکی! غور سے سنو ہمیں صرف پتھر کے ایک تڑپے ہوئے ٹکڑے کی ضرورت ہے خواہ اس میں کوئی طاقت ہو یا نہ ہو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ جس طرح ہم اونچی ذات کے لوگوں سے ڈرتے ہیں اسی طرح وہ ہم سے ڈریں گے۔ جس طرح وہ ہماری بستیوں کو لوٹتے ہیں ہم ان کے شہروں کو لوٹیں گے جس طرح وہ ہمیں اچھوت سمجھتے ہیں ہم انہیں اچھوت سمجھیں گے جس طرح ہم انہوں نے زنجیر اور سربسز میدانوں سے نکال کر ان پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسی طرح ہم

ان کے ہرے بھرے بانج اور لہلہاتی کھیتیاں چھین کر انہیں جھگولوں اور بنیانوں کی طرف دھکیل دیں گے۔ سکھ دیو اقم نے کہا تھا کہ ان بکھرے ہوتے دانوں کو ایک لڑھی میں پرونا آسان بات نہیں لیکن میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اپنے دیوتا کی محبت اور اونچی ذات کی دشمنی ان بکھرے ہوتے دانوں کو چند دنوں کے اندر ایک لڑھی میں پرو دے گی۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جسے کسی کام میں اپنی بہتری نظر آئے اور وہ اسے نہ کرے۔ جھونپڑیوں میں رہنے والوں کو صرف محلات کے خواب دکھانے کی ضرورت ہے۔

میں نے یہی باتیں موتی سے کہی تھیں لیکن اس کا سر جھوٹا اور دل کمزور تھا اب میں اس ارادے کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں لیکن اپنی قوم کے ایک گزہ کار سوار ہوتے ہوئے بھی میں تمہاری مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میں کنول کے باپ کی کہانی سن چکا ہوں اور تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم اپنے لیے نہیں تو کم از کم کنول کے باپ کا انتقام لینے کے لیے ہی میرا ساتھ دو گے۔ کیوں سکھ دیو تمہارا کیا خیال ہے؟

سکھ دیو بڑبڑک سوچنے کے باوجود اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ رامو کی اصلیت آج تک اس کی آنکھوں سے چھپی ہی ہے۔ سکھ دیو کو خاموش دیکھ کر رامو نے کہا "میں جانتا تھا کہ اپنی قوم کی محبت تمہیں میرا ساتھ جینے کی اجازت نہ دے گی۔ تمہارا خون ضرور جوش مارے گا لیکن میں تم سے صرف یہ درخواست کروں گا کہ میرے راستے میں کاٹنا نہ بننا۔ میں تمہارا دوست ہوں لیکن کانٹوں کو اپنے راستے سے دور کرنا انسان کی فطرت ہے۔"

"رامو! سکھ دیو نے مغوم لہجے میں کہا "مجھے ان لوگوں سے محبت نہیں اگر تمہاری قوم سماج سے اپنے کھوئے ہوئے حقوق واپس لے لے تو مجھ سے زیادہ

خوشی شاید تمہیں بھی نہ ہو لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ پتھر کی وہ موز میں جنہوں نے سماج والوں کے دل پتھر بنا دیئے ہیں تمہاری قوم کے سادہ اور رحم دل لوگوں کو بھی خوشوا درندوں میں تبدیل کر دیں ہیں ایک زبردست اور انصاف پسند طاقت کا قائل ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جب اس کی مرضی ہوگی وہ کسی ایسے طاقتور انسان کو بھیجے گی جو دیوتاؤں کی مدد کے بغیر چھوٹ اور اچھوت کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے گا جو اونچی ذات کے دل سے صدیوں کی سیاہی دھو ڈالے گا۔ جو مدتوں کے پچھڑے ہوئے دلوں کو ملائے گا۔ میں کسی ایسے دیوتا کی تلاش میں ہوں جس کی پوجا ایک انسان کو دوسرے انسان سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرنا سکھائے۔"

رامو نے کہا "سکھ دیو اقم تمام عمر خواب دیکھتے رہو گے لیکن میں اپنی عمر کا باقی حصہ تمہاری طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس زبردست اور انصاف پسند طاقت کی راہ نہیں دیکھوں گا جو برسوں سے کہیں سو رہی ہے۔ اونچی ذات والے کسی زبردست اور انصاف پسند طاقت کی مرضی کے بغیر تم پر حکمران میں اور تم دیکھو گے کہ وہ طاقت ہمارے راستے میں بھی روڑے نہیں اٹھائے گی۔ میں صرف تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم میری مخالفت نہیں کرو گے۔"

سکھ دیو نے جواب دیا "میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا لیکن تمہارا ساتھ بھی نہیں دوں گا۔"

رامو نے اٹھتے ہوئے کہا:

"یہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ اچھا اب جانا ہوں۔ تم چند دن میں دیکھو گے کہ ایک نئے دیوتا کی آواز تمہاری قوم کو کہاں کہاں سے لا کر ایک جگہ اکٹھا کرتی ہے۔"

سکھ دیو خاموش رہا۔ رامو اپنے گھر پر سوار ہو کر چل دیا۔ اس کے رخصت

ہوتے ہی بدصو بھاگا ہوا سکھدیو کے پاس آیا اور پوچھنے لگا:
 "وہ مٹکا اٹھا اٹھا کر آسپتے کیا کہہ رہا تھا؟ بھتیجا سچ کتنا ہنوںی میں کلہاڑی
 اٹھائے تیار بیٹھا تھا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ آج بچ کر نہ جاتا۔
 آخر کیا بک رہا تھا وہ؟"
 "کچھ نہیں بدصو!"
 کوئی خاص بات نہیں تھی!"

بیادلیوتا

سادن کا مہینہ ان لوگوں کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام لایا۔ رامو کئی مہینے پہلے
 اس پاس کی تمام بستیوں کے لوگوں کو ایک نئے دیوتا کی آمد کی خبر سے چکا تھا۔ اس
 کی تقریروں کی بدولت کسی کے دل میں آنے والے دیوتا کی زبردست طاقت کا رعب
 اور کسی کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو رہی تھی۔ رامو اس دیوتا کے لیے بھیل کے
 گنا سے ایک بن ٹیلے پر پیپل کے ایک درخت کے سائے میں مٹی کا چوڑا ترانہ اچھا
 تھا۔ آنے والے دیوتا کے لیے پھولوں کی ضرورت کا احساس کر کے اس نے لوگوں
 کو بھیل سے کنول کے پھول توڑنے کی ممانعت کر دی تھی۔

ان لوگوں میں سکھدیو کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جسے دیوتا کا انتظار صبح و شام
 ٹیلے پر لے جاتا۔ کوئی علی الصبح یہ خبر لے کر آتا، کہ میں نے رات کے وقت دیوتا
 کو اپنی آنکھوں سے چوتھے پر دیکھا ہے اور وہ مجھے دیکھ کر غائب ہو گیا تھا کوئی
 شام کے وقت یہ خبر مشہور کرتا کہ دیوتا آج پو پھٹنے سے پہلے بھیل میں نہا رہا تھا لیکن
 مجھے دیکھتے ہی اس نے پانی میں غوطہ لگا دیا اور پھر باہر نہ نکلا۔ کوئی یہ انواز اڑا دیتا
 کہ اس نے دیوتا کو آدھی رات کے وقت چوتھے پر نہا چھتے دیکھا ہے۔ غرض یہ وہ
 دل لوگ آہستہ آہستہ رامو کی تقریروں سے متاثر ہو کر اس کے کانوں سے سننے
 اور اس کی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی ہو رہے تھے۔

سکھدی ان باتوں سے اگ تھک رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ لوگ دیکھ کر تسلی کے لیے آنے والے دیوتا کے متعلق اس کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتے لیکن وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں ٹال دیتا۔ بدھو، رامو کی ہر بات سے نفرت کرنے کا عادی تھا لیکن نئے دیوتا کے متعلق ہر روز ایک نئی کہانی سننے کے لیے اسے بھی آہستہ آہستہ ان باتوں کے ساتھ دل چسپی ہو رہی تھی۔ کسی سے جب وہ یہ سنتا کہ نیا دیوتا ان کے جھوٹوں کو محلات میں تبدیل کر دے گا اور ان کی غیر آباد زمین پر پھیل پھول اور اناج کی بارش کرے گا۔ تو وہ خوش ہونے کی بجائے اس بات پر افسوس کرتا کہ دیوتا کے ساتھ ساتھ رامو کے نام کی شہرت بڑھے گی اور لوگ سکھدی سے زیادہ اس کی عزت کریں گے۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ رامو کے ساتھ لوگوں کی دل چسپی کم ہو رہی ہے۔ جو لوگ رامو سے نفرت کرتے تھے اب اس کے گرویدہ ہو رہے ہیں اور جب نیا دیوتا آئے گا تو سکھدی کو یہ لوگ بالکل بھول جائیں گے۔

اس سے زیادہ اسے اس بات کا افسوس تھا کہ بستی کی عزتیں جو کنول کے پاس ہر وقت جمع رہتی تھیں اور اس کے پاؤں پر سر رکھتی تھیں اب ان کی توجہ رامو کے گھر کی طرف ہو رہی تھی لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ نہایت بیتابی سے نئے دیوتا کا انتظار کر رہا تھا۔

(۲)

ایک صبح آسمان پر سیاہ بادلوں کے تانے مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے تھے۔ سادوں کی بھیگی ہوئی ہوا کے خوش گوار جھونکے آسے تھے۔ سکھدی کو

کے صحن میں چار پائی پر بیٹھا ہوا، ہوا میں اڑنے والے سفید بگلوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کنول بکریوں کا دودھ دوہ رہی تھی۔ مادھو اور شاننا آسمان کے ایک کونے میں بارش سے بھیگی ہوئی مٹی کھود کر ایک چھوٹا سا کنواں بنا رہے تھے۔ کنول دودھ دوہ کر اٹھی اور مٹی کا ایک کٹورا بھر کر سکھدی کے قریب آکھڑی ہوئی۔ سکھدی کو کسی گہرے خیال سے بیدار ہوا اور اس کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے "طوفان! ایک اور طوفان!!"

کنول نے پریشانی ہو کر کہا "کیسا طوفان! آپ صبح سے کیا سوچ رہے ہیں۔ بچتے دودھ۔ بدھو مچھلی مے گیا ہے میں ابھی پکاتی ہوں۔"

سکھدی نے کنول کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لیتے ہوئے کہا "کنول! ایشا یہ میری زندگی کا آخری طوفان ہو۔"

"آپ کبھی کبھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

سکھدی نے دودھ پی کر کنول کو پیالہ واپس مے دیا۔

بدھو باہر سے ہانپتا ہوا آیا اور صحن میں پاؤں رکھتے ہی چلانے لگا۔ بھیا۔

وہ آگیا! وہ آگیا! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

سکھدی نے پوچھا "کون آگیا تم اتنے بدحواس کیوں ہو گئے ہو؟"

"دیوتا! رامو کا دیوتا!! بھیل کے کنا سے چبوترے پر بیٹھا ہوا ہے میں اسے دیکھ آیا ہوں۔ اُت! کتنی لمبی زبان ہے اس کی۔ مجھے ڈر لگتا تھا۔ لوگوں نے اس کے سامنے پھولوں کے ڈھیر لگائے ہیں۔ میں بھی بہت سے پھول پھینک آیا ہوں۔ چاہیے! تم بھی دیکھو۔"

بدھو کی توقع کے خلاف سکھدی نے یہ خبر نہایت سکون کے ساتھ سنی اور بچھڑوانی سے جواب دیا "تم جاؤ! میں آج تمہاری بکریاں لے جاؤں گا۔"

”بھئی! میں مذاق نہیں کرتا میں سچ مچ اسے دیکھ آیا ہوں۔“
 ”میں کب کہتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو لیکن مجھے تمہارے دیوتا سے کوئی
 دل چسپی نہیں۔“

”بھئی! اگر تم مجھ سے خفا ہو تو میں کبھی وہاں نہیں جاؤں گا۔ دیوتا خواہ
 کیسا بھی ہو میرے لیے تم سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم وہاں جانا پسند نہیں کرتے
 تو میں بھی وہاں کبھی نہیں جاؤں گا لیکن میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ
 ہے کیا؟ وہ نہ بولتا ہے، نہ ہلاتا ہے، نہ آنکھیں جھپکتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ وہ سانس بھی نہیں لیتا۔“

”بدھو! تمہیں اس کے متعلق رام نے کچھ نہیں بتایا؟“

”بھئی! رام تو اس کے متعلق بڑی عجیب باتیں سنا تا ہے۔ کبھی کہتا ہے
 کہ وہ ہمارے لیے بڑے بڑے عمل بنائے گا کبھی یہ کہتا ہے کہ وہ بڑے بڑے
 راجوں، مہاراجوں سے جنگ کر کے انہیں ملک سے نکال دے گا اور ان کے
 باغ، ان کی کھیتیاں اور ان کی چراگاہیں چھین کر زمین دے دے گا لیکن میں اس
 بات سے حیران ہوں کہ وہ ٹیلے پر چپ چاپ بیٹھ کر یہ تمام کام کس طرح
 کرے گا!“

سکھدیو نے بے پروائی سے جواب دیا ”یہ بھی تمہیں رام سے ہی پوچھنا چاہیے۔“
 بدھو نے سکھدیو کے قریب چار پائی پر بیٹھتے ہوئے کہا ”بھئی! دنیا میں وہ
 کون سی چیز ہے جس کے متعلق رام کو علم ہو اور آپ کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہو
 اس دیوتا کے متعلق کوئی بات ایسی ضرور ہے جسے آپ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں
 میں دیکھ رہا ہوں کہ جس دن سے اس دیوتا کی باتیں شروع ہوئی ہیں آپ مغموم
 رہتے ہیں۔ اس دیوتا کے متعلق لوگ آپ سے بہت کچھ پوچھا کرتے تھے۔ لیکن

آپ ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں ٹلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مجھے
 دوسروں سے واسطہ نہیں لیکن آپ کا سنکھ میرا سنکھ اور آپ کا دکھ میرا دکھ ہے
 بھئی! مجھے صرت اتنا بتا دو کہ یہ ہے کیا؟ اور آپ کو کون سی بات پریشان کر
 رہی ہے۔ آپ نے مجھ سے کبھی اپنے دل کی بات نہیں چھپائی۔ آخراں مجھ سے
 کون سا قصور ہو گیا ہے؟“

بدھو کے سوالات کے جوابات میں سکھدیو کچھ دیر تک مکی بانہ نہ کران کی
 طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر وہ بولا: ”بدھو! میں تمہیں اس دیوتا کے متعلق بہت کچھ
 بتا سکتا تھا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم کوئی بات دل میں نہیں رکھ سکو گے۔“

بدھو نے جواب دیا ”بھئی! دل میں بات وہ رکھتا ہے جو کسی سے ڈرتا
 ہو لیکن مجھے کسی کا ڈر نہیں۔“

”لیکن میں رام سے وعدہ کر چکا ہوں۔“

”کیسا وعدہ؟“

”یہ بھی کہ میں دیوتا کے بارے میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔“
 ”تو میں کب کہتا ہوں کہ آپ اس کی مخالفت کریں۔ میں آپ سے صرف
 یہ پوچھتا ہوں کہ یہ دیوتا ہے کیا؟ آخر وہ کون سی بات ہے جو آپ مجھ سے چھپانا
 چاہتے ہیں؟“

سکھدیو نے جواب دیا ”بدھو! تم وعدہ کرو کہ تم یہ الفاظ دوسروں کے کانوں
 تک نہیں پہنچاؤ گے؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں؟“

”اچھا سنو۔ یہ دیوتا آسمان سے نہیں اُترا۔ یہ پہلے بھی ایک پتھر تھا اور
 ابھی ایک پتھر ہے۔“

پتھر؟ بدھونے جیرانی سے پوچھا۔

”ہاں پتھر، تم پہاڑوں میں لاکھوں پتھر ایسے دیکھتے ہو۔ ان میں اور اس پتھر میں صرف اتنا فرق ہے کہ اسے تراش کر ایک عجیب و غریب انسانی صورت میں تبدیل کیا گیا ہے۔“

اگر بدھونے رامو کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتی کو چھو کر سے پرے حسن و حرکت دیکھنے کی بجائے اسے چلتے پھرتے اور باتیں کرتے بھی دیکھا ہوتا تو بھی اسے سکھدیو کی باتوں پر شک نہ گزرتا۔ تاہم اس نے اپنے سے سب سے شکوک فرغ کرنے کی نیت سے سوال کیا ”لیکن بھیا کئی لوگ پہلے اس دیوتا کو نہاتے، ناچتے اور گوتے دیکھ چکے ہیں۔ کیا وہ سب....؟“

سکھدیو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”رامو ایک طاقت ور اور ہوشیار آدمی ہے دوسروں کی زبان سے جو جی چاہے کہہ سکتا ہے اگر وہ یہ کہے دے کہ میں نے رات کے وقت ایک بھیڑ کو آسمان کی طرف اڑتے ہوئے دیکھا ہے تو ہزاروں بے وقوف یہ کہنے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ ہم نے بھی بھیڑ کو اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب ذرا سوچو اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں نے رات کے وقت اس دیوتا کو ہاتھی پر سواری کرتے دیکھا ہے تو ان لوگوں میں کتنے ہیں جو یہی ہاں میں ہاں نہیں ملائیں گے۔ ایسا قصہ اگر مشہور کر دیا جائے تو پھر تم دیکھو گے کہ بعض لوگ رات کے وقت دُور سے ایک درخت دیکھ کر بھی یہی کہیں گے کہ وہ تو ہاتھی پر سواری سے اور جنگل میں کسی چرواہے کو غنسی بجاتے دیکھ کر انہیں شک نہ گزریگا کہ وہ نا غنسی بجا رہا ہے۔ تم نے عمر بھر اپنی آنکھوں سے بھوت نہیں دیکھا ہوگا۔ لیکن تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو بھوتوں سے نہ ڈرتا ہو اور اس ڈر کی وجہ یہ ہے کہ تم روز بھوتوں کی کہانیاں سنتے رہتے ہیں اور اندھیری رات میں میں چھوٹی چھوٹی

بھاڑیاں بھی بھوت بن کر ڈراتی ہیں۔ اس دیوتا کے متعلق رامو مدت سے طرح طرح کی باتیں مشہور کر رہا تھا۔ لوگوں نے دیوتا کو اپنی آنکھوں سے ناچتے گوتے نہیں دیکھا بلکہ رامو کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ٹیلے پر اپنے ہاتھوں سے تراشا ہوا پتھر رکھنے سے پہلے رامو خود ہی دیوتا بن کر ناچنا کو دتا رہا ہو۔“

سکھدیو کا ہر لفظ بدھو کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ سکھدیو نے دنیا بھر کے عقل و حکمت کے خزانے اس کے دماغ میں ٹھونس دیے ہیں۔ بارہا اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ بھاگ کر ٹیلے پر پہنچ جاتے دیوتا کے قریب چوں نرے پر کھڑا ہو کر ایک پوزور قمعہ لگائے۔ لوگ اس کی طرف حیران ہو کر دیکھیں لیکن اس کی ہنسی کسی طرح بند نہ ہو۔ لوگ اسے ڈرا دھمکا کر چھوڑنے سے بچنے اتانے کی کوشش کریں لیکن وہ بلند آواز سے یہ کہتا جاتے کہ یہ پتھر سے یہ پتھر ہے!! اسے رامو نے تراشا ہے وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے ان خیالات کے تحت بدھو کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ وہ بولا:

”بھیا! یہ بہت بڑی شرات ہے۔ رامو تم سب کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ ہمیں یہ باتیں آج ہی تمام لوگوں کو بتا دینی چاہئیں۔“

سکھدیو نے جواب دیا ”رامو! یہ سب کچھ تمہاری بھلائی کے لیے کر رہا ہے اس کی نیت بڑی نہیں۔ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا اس لیے میری بات کسی اور کے کانوں تک پہنچ گئی تو اچھا نہ ہوگا۔“

بدھو کے پہرے پر پھر اواسی چھا گئی۔ اس کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کی ماں نے اسے کوئی عجیب و غریب کھلونا دے کر سناٹا ہی یہ حکم بھی سنا دیا ہو کہ اسے باہر لے جا کر کسی کو مت دکھاؤ۔ اس نے طعنی ہو کر کہا ”بھیا! رامو سے مجھے کسی بہتری کی امید نہیں۔ یہ اسے نچا دکھانے کا وقت ہے۔“

سکھ یونے جواب دیا "یہ باتیں میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ تم خاموشی سے دیکھتے جاؤ۔"

"بہت اچھا بھتیجا! میں کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن وہاں جا کر دیکھیں تو سہی کرتے لوگ کیا کرتے ہیں۔"

"میں نہیں وہاں جانے سے منع نہیں کرتا لیکن وہاں جا کر کوئی بے وقوفی نہ

کر بیٹھنا!"

"آپ اطمینان رکھیے" یہ کہہ کر بدھو اٹھا اور ٹیلے کی طرف چل دیا۔ بدھو کو ٹیلے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوتی تھی کہ سکھ یو کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ بھی اٹھ کر ٹیلے کی طرف چل دیا۔

(۳)

اس پاس کی بستریوں کے لوگ جوق و جوق ٹیلے پر جمع ہو رہے تھے۔ انہیں دیوتا کے چہرے پر پھولوں اور آسموں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ رامون نے چہرے سے نیچے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو میٹھ جانے کے لیے کہا۔ لوگ رامو کی تقریریں سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ اس کا اشارہ پاتے ہی خاموش ہو گئے۔ رامون نے دیوتا کے فضائل بیان کرنے کے بعد اپنی قوم کے اس شان دار مستقبل کا نقشہ کھینچنے لگا جس کا راز اس مقدس مورتی کی خوشنودی حاصل کرنے میں تھا۔ پوجا اور قربانی کی اہمیت ظاہر کرنے کے بعد وہ اپنی قوم کو یقین دلا رہا تھا کہ اب وہ ادھر ادھر بٹکنے والے چرواہے نہیں کھلائیں گے بلکہ عنقریب ان پر دولت شہرہ دل اور خوبصورت مکانوں پر قبضہ کرنے والے ہیں جن کے نیچے ان

کے آباد اجداد کے جھونپڑے دیے ہوئے ہیں اور وہ دن و رات نہیں جب ان کے راجہ اور رانیاں گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور اس دیوتا کی مدد سے ان کی فتح ہوگی۔

اپنے راجوں اور رانیوں کا تصور ان لوگوں کے لیے اس دیوتا کی مدد سے حاصل ہونے والی باقی تمام نعمتوں سے زیادہ دلفریب اور صبر آزما تھا۔ ہر شخص کا دل مسرت سے اچھل رہا تھا۔ سب کی آنکھوں میں امید کی مشعلیں روشن ہو رہی تھیں ہر ایک کی گردن دیوتا کے الطاف و اکرام کے زبردست پوجھتے جھکی جا رہی تھی۔ غرض نیا دیوتا ان لوگوں کو رامو کی زبان سے نئی زندگی، نئی روشنی اور نئی مورتوں کا پیام دے رہا تھا۔

سکھ یو ٹیلے پر نمودار ہونے سے دیوتا کی آمد کے بعد یہ دیوتا لوگوں کی نظروں میں اگرچہ پرانا ہو چکا تھا۔ تاہم ایک لمحہ کے لیے اس نے سب کی نگاہیں اپنی طرف کھینچ لیں۔ وہ اس کے چہرے سے نئے دیوتا کے متعلق اس کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی مغموم آنکھیں اور مر جھایا ہوا چہرہ نئی خوشی اور نئی روشنی سے نا آشنا معلوم ہوتا تھا۔

بدھو اسے دیکھتے ہی قریب آ کر کان میں کہنے لگا "آپ انہیں بتاویں کہ سب بے وقوف ہیں گدھے ہیں۔"

سکھ یو نے ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے آہستہ سے "چپ" کہا اور بدھو کے لبوں پر مہر سکوت ثبت ہو گئی۔

رامون نے بدھو اور سکھ یو کی طرف دیکھا اور سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "بھائیو! اب تم ہی بتاؤ کہ دیوتا کو خوش رکھنے میں تمہارا فائدہ ہے یا نقصان؟" فائدہ! فائدہ! اچاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

رامون نے کہا "ہم اس دیوتا کو خوش رکھ کر زمین اور آسمان کی تمام نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو! اگر یہ دیوتا ناراض ہو گیا تو ہم سب مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اس دیوتا کو ناراض کرنے والا ہمارا بدترین دشمن ہو گا۔ اگر کسی نے اس کی پوجا کرنے سے انکار کیا تو ہم اس سرزمین سے اسے نکال دیں گے جو ہمارے پوتہ دیوتا کی شان میں گستاخی کرے گا۔ ہم اسے بدترین سزا دیں گے۔ لوگوں نے بے شک اپنے شک! کہہ کر رامو کی تائید کی۔

رامو کی تقریر کے بعد دیوتا کے قدموں میں ایک بکرے کا سر کاٹا گیا اس کے بعد بادل گر جا اور بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں دیوتا کے پاؤں سے خون کے چھینٹے دھونے لگیں۔ لوگوں کے خیال میں یہ بارش ساون کی معمولی بارش نہ تھی بلکہ دیوتا کی نوازش کا نتیجہ تھا۔

رامون نے لوگوں کو سر صبح سویرے نکلنے سے پہلے دیوتا کی پوجا کے لیے ٹیلے پر آنے کا حکم دینے کے بعد یہ جلسہ برخاست کیا۔ سکھ دیو لوگوں کی توجہ سے بچنا چاہتا تھا لیکن اس کے بعض عقیدت مندوں نے اسے گھیر لیا اور اس دیوتا کے متعلق اس کی زبان سے کچھ سننے کی خواہش ظاہر کی۔

سکھ دیو نے مغموم آواز میں کہا "میں خوش ہوں کہ تمہیں ایک زبردست دگا مل گیا ہے۔ لیکن.....! سکھ دیو آگے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن لوگوں کی مسرور اور مطمئن نگاہوں نے اس کی زبان بند کر دی۔ اس نے انہیں اس خیالی جنت سے نکالنا پسند نہ کیا۔

"لیکن کیا؟ ایک آدمی نے پوچھا۔

"ٹھہرو! سکھ دیو نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بدھو کہاں گیا؟ ایک شخص نے جواب دیا "وہ ابھی چبوترے کے پاس کھڑا تھا۔"

سکھ دیو کھینٹے ہی لوگوں کو ادھر ادھر ہٹا کر اپنا راستہ بناتا ہوا چبوترے کی طرف بڑھا۔ چبوترے کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ چند نوجوان بدھو کو دھونے لہتے ہیں اور اس کے منہ اور ناک سے خون بہ رہا ہے اور بدھو بلند آواز میں انہیں گالیاں دے رہا ہے۔ سکھ دیو بھاگ کر بدھو اور اس پر حملہ کرنے والوں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔

"ٹھہرو! اس نے ایک نوجوان کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ نوجوان بدھو سے ہاتھ ہٹا کر سکھ دیو کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کے جواب میں رامو چند قدم آگے بڑھا۔ کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ یہ رامو کی مستح کا دن تھا وہ اگر چاہتا تو سکھ دیو پر بھی ایک کاری ضرب لگا سکتا تھا۔ لیکن وہ ایک دانا دشمن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سکھ دیو اپنی عمر کا ایک حصہ سپاہ گری میں گزار چکا ہے۔ اس پر ادھیڑا کرنا عقلمندی نہیں۔ اس کے علاوہ وہ بھی جانتا تھا کہ اس کے ساتھ لوگوں کی دل چسپی کم ہو گئی ہے لیکن حتم نہیں ہوتی۔ سنے دیوتا کے احترام کے باوجود کئی ایسے ہیں جو سکھ دیو کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی گوارا نہ کریں گے۔

سکھ دیو نے پوچھا "بدھو نے کیا جرم کیا ہے؟"

رامون نے جواب دیا "اسی سے پوچھو!"

سکھ دیو نے بدھو کی طرف دیکھا اور کہا "بدھو کیا کیا تم نے؟ میں نے تمہیں بار بار تاکید کی تھی کہ کوئی بے وقوفی نہ کر بیٹھتا۔"

بدھو نے جواب دیا "میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تو صرف یہ دیکھنے گیا تھا کہ دیوتا مٹی کا بنا ہوا ہے یا پتھر کا۔"

بدھو کے ان الفاظ کے ساتھ سکھ دیو کی ایک معنی خیز نگاہ نے رام کو پریشان کر دیا اور اسے بنا بنا یا کھیل بگر جانے کا خدشہ پیدا ہونے لگا لیکن سکھ دیو اس دفعہ بھی اس کی توقع سے زیادہ شریف ثابت ہوا۔ اس نے کہا "بھائی ایسے مہیا کر دو۔ اس نے کبھی دیوتا دیکھا ہی نہیں۔"

رام نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ یہ بے وقوف ہے لیکن آپ اسے سمجھا سکتے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ چلو۔ بدھو گھر چلیں۔"

بارش کی بڑھتی ہوئی تیزی کے ساتھ ٹیلے پر سے لوگوں کی تعداد میں تدریجاً کمی ہونے لگی۔

لوگوں نے رام کو چلنے کے لیے کہا لیکن اس نے جواب دیا "تم جاؤ اور اچھے دیوتا سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

(۴)

بدھو، سکھ دیو کو گھر پہنچا کر اپنے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ پاس سے ہستی کے چند آدمی گزرے وہ دیوتا کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

ایک نے دوسرے سے پوچھا "لیکن رام اب وہاں کیا کرتا ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا "اے سنا نہیں تم نے۔ کوئی کہہ رہا تھا وہ دیوتا کے ساتھ علیحدگی میں باتیں کرے گا۔"

"دیوتا کے ساتھ باتیں۔ باقی سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔"

"بھئی! یہ کون سی بڑی بات ہے۔"

پہلے شخص نے کہا "بھئی! سچ پوچھو تو اب کوئی بات بھی عجیب معلوم نہیں ہوتی اب پتہ نہیں کیا کچھ ہو گا!"

یہ لوگ باتیں کرتے ہوئے گزر گئے۔ بدھو دیر تک بارش میں کھڑا رہا۔ بالآخر وہ اپنے دل میں "یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ کتنا ہوا بھاگ کر گھر پہنچا۔ اور وہاں سے کھارڑی اٹھا کر پھر ٹیلے کی طرف چل دیا۔"

بدھو ٹیلے کے درخت کی طرف سے ٹیلے پر چڑھا اور درخت کی آڑ میں کھڑا ہو کر چبوترے کی طرف دیکھنے لگا۔

رامو بارش سے بے پروا چبوترے پر بیٹھا آم کھا کھا کر دیوتا کے سناٹے گھٹکیوں اور چھکوں کا ڈھیر لگا رہا تھا۔

اس نے پریٹ بھرنے کے بعد مورتی کی طرف دیکھا اور کہا:

"اچھے دیوتا! اب میرے پریٹ میں جگہ نہیں۔ تم بہت کھا چکے ہو گھٹکیاں اور چھکے تمہاری ایش تھا کاشتوت دینے کے لیے کافی ہیں میں کھاؤں گا۔ تمہاری شہرت ہوگی لیکن میں نے تمہیں صرف آم کھانے کے لیے نہیں بنایا خون پینے کے لیے بنایا ہے، اپنے دشمنوں کا خون۔ اپنی قوم کے دشمنوں کا خون۔ بدھو جیسے بے وقوف اور سکھ دیو جیسے عقل معذوں کا خون۔ راجوں اور مہاراجوں کا خون۔ اچھے دیوتا۔ اب میں تیرے سامنے خون کی ندیاں بہا دوں گا۔ تیری خوشی کے لیے نہیں، اپنی خوشی کے لیے۔ میں جانتا ہوں تیرے لیے خوشی اور غم کوئی شے نہیں۔ تو پتھر ہے لیکن ایک انسان تجھ سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے۔ اب شام ہو رہی ہے میں جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر رام چبوترے سے نیچے اترا۔ لیکن چند قدم چل کر پھر رک گیا اور مورتی کی طرف دیکھ کر بولا: "تیری حفاظت، تیری حفاظت میں کروں گا جس نے"

تختے بنائے تھے وہ تختے توڑ ڈالیں گے؟ نہیں اُن میں یہ جرات نہیں لیکن اگر توڑ بھی ڈالیں تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں اور بنا لوں گا۔ جب تک پہاڑوں میں پتھر موجود ہیں۔ اس ٹیلے پر تختے سے ملتی جلتی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہوگی۔ یہ کہہ کر رامو داپس مڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ٹیلے سے نیچے اتر گیا۔ شام کی ہلکی ہلکی سیاہی شب کی تاریکی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ بارش کی تیزی کا وہی عالم تھا۔ بدھو بے پاؤں درخت کی آڑ سے نمودار ہوا اور چوڑے پر بیٹھ کر نیچے کھچے آم کھانے لگا۔ ایک ام ذرا ترش نکلا تا بہ وضو لے آئے غصے سے مورتی کے منہ پر سے مارا اور کہا: رامو بد معاش میٹھے میٹھے سب کھا گیا ہے۔ وہ دیوتا کے ساتھ رامو کی باتیں سن چکا تھا اور اس کے الفاظ دہرا دہرا کر آموں کے رس کے ساتھ زہر کے گھونٹ پی رہا تھا۔ بدھو جیسے پتھر توں اور سکھدو جیسے عقلمندوں کا خون اُٹا۔

۱۔ لہو زیادہ دیر بارش میں آموں کا لطف نہ اٹھا سکا۔ بجلی چمکی اور وہ دیوتا کی مہیب صورت دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسری دفعہ بجلی چمکی اور اس نے گلہاڑی اٹھائی اور آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ فطرۃ ندر نہونے کے باوجود اس سن کا دل دھڑک رہا تھا۔

بجلی پھر چمکی اور اس کے ساتھ ہی بدھو کی گلہاڑی مورتی کی گردن پر پڑی کسی بھاری شے کے چپو ترے پر گرنے کی آواز آئی۔ بدھو نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کسی خیال نے اسے روک لیا۔ بجلی کی چمک میں اس نے دیکھا۔ دیوتا کا سر اس کے پاؤں میں تھا۔ یہ سوچ کر کہ مگر طے جوڑے جا سکتے ہیں۔ اس نے گلہاڑی نیچے رکھ کر مورتی کا سر اٹھایا اور ٹیلے کے اس سرے پر پہنچ کر جو کہ جھیل کی طرف تھا نیچے پھینک دیا۔ دیوتا کا سر زوں گز کی بلندی سے پانی میں گرا اور اس کے ساتھ

ہی بجلی چمکی اور باؤل کی ایک خوفناک گرج سنائی ری۔ بارش اور زیادہ تیز ہو گئی باؤل کی دوسری گرج اس قدر خوفناک تھی کہ وہ حواس باختہ ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ بجلی کی چمک سے اس کی آنکھیں چندھینا گئیں اور وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ زمین کانپ رہی ہے۔

بدھو کے سامنے رامو کے یہ الفاظ کہ اگر دیوتا ناراض ہو گیا تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے تو بہات کے بھوت بن کر ناچنے لگے۔ بھوتوں اور چڑھیوں کے تھے جن پر وہ یقین کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ ایک ہڈر چرواہے کی زندگی کا مکڑور پہلو تھے۔

وہ کسی خطرناک شے کو مقابلے پر دیکھ کر اپنی تمام جسمانی صلاحیتوں کو روکے لا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اندھیری رات میں اس نے اپنی ہی ایک بکری کو بھوت سمجھ کر مار ڈالا تھا لیکن وہ ان چیزوں سے بہت ڈرتا تھا جو سامنے نہیں آتیں۔ بلکہ دل میں چھپ کر دماغ پر حملہ کرتی ہیں۔ پتھر کی مورتی کو اس نے ان کے وقت اچھی طرح ٹوٹی کر دیکھ لیا تھا اور شام کے وقت رامو کی باتیں سن کر اس کا اطمینان اور بھی زیادہ ہو گیا تھا لیکن اگر وہ رامو کو اس کے سامنے بیٹھ کر آم کھاتے نزدیکھتا تو اسے اس خوفناک صورت کے سامنے اطمینان سے بیٹھ کر آم کھانے کی جرات نہ ہوتی۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ اگر رامو نے اپنی تقریر میں اس مورتی کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ظاہر نہ کیا ہوتا تو بدھو کو اس پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوتی سکھدو کے متعلق رامو کی نیت سے باخبر ہونے کے بعد اگر بدھو کے سامنے یہ پتھر پہاڑ بن کر بھی کھڑا ہو جاتا تو بھی وہ حملہ کرنے سے باز نہ آتا۔ سکھدو کی جان بچانے کے لیے وہ ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ جنوں، بھوتوں، چڑھیوں اور دیوتاؤں سے لڑ سکتا تھا لیکن اب سکھدو کا دشمن مارا جا چکا تھا۔ اس کا سر جھیل میں

پھینکا جا چکا تھا۔ حقیقتی خطرہ دوزخ ہو چکا تھا۔ لیکن توہمات باقی تھے۔ توہمات جو روشنی میں سامنے نہیں آتے۔ تاریکی میں دماغ پر چھا جاتے ہیں۔ بدھوں کی نگاہوں کے سامنے سانپ گزر چکا تھا لیکن لیکر باقی تھی وہ سانپ جسے لڑا سکتا تھا لیکن اس میں اس قدر خود اعتمادی نہ تھی کہ لیکر کو سانپ جینے سے روک سکتا۔

بدھو خوف سے مغلوب ہو کر گھر کی طرف بھاگا۔ توہمات کے بھوت اس کا تقاب کر رہے تھے۔ ٹیلے سے نیچے اترتے ہوئے اس کا پاؤں پھینکلا اور پیٹھ کے بل چند گز پھسلنے سے گھر پر معمولی سی خراش آگئی۔ بجلی کی چمک میں اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس پاس کچھ نہ تھا۔ اگر ہوتا تو وہ یقیناً مقابلے کے لیے گھرا ہو جاتا۔ بجلی پھر چمکی۔ بدھو نے چلا کر کہا۔ بد معاش! اندھیرے میں پھینچا کرتے ہیں روشنی میں نہیں آتے۔ اس نے اٹھ کر پھر بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن اسے یاد آیا۔ بھوت اور کر بھاگنے والے کا پھینچا نہیں چھوڑا کرتے۔ یہ سوچ کر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ تاہم ہر دو تین قدم کے بعد وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا۔ گاؤں میں پہنچ کر بدھو نے دیکھا کہ گاؤں کی کشادہ گلیاں، زمیروں اور نالوں میں تبدیل ہو چکی ہیں وہ اپنے گھر کا رخ کرنے کی بجائے سیدھا سکھ لویہ کے گھر پہنچا۔

سپلا

سکھ لویہ کی جھونپڑی کے ایک کونے میں مٹی کے چھوٹے سے چبوترے پر ایک دیبا جل رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دو چار پائیوں پر شاننا اور مادھو لیٹے ہوئے تھے۔ دوسرے کونے میں دو چار پائیوں میں سے ایک پر سکھ لویہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پھرے سے کسی گہری سوچ اور ذہنی کش مکش کا پتہ چلتا تھا۔ دوسری چار پائی پر کنول پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کنول نے پوچھا "آج آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ یہ دیوتا کیا بلا ہے؟" سکھ لویہ نے کنول کی طرف دیکھا اور جواب دیا "میں اس وقت دیوتا کے متعلق نہیں سوچ رہا تھا۔ کنول تمہیں اپنا وطن یاد آتا ہے یا نہیں؟"

سکھ لویہ کے ان الفاظ نے کنول کی نگاہوں سے ماضی کے نقاب اڑا دیے اور چند لمحات کے لیے وہ ان پہاڑوں، جھیلوں اور وادیوں میں کھو گئی۔ سکھ لویہ پھر بولا۔ "کنول! مجھے آج تمہارا وطن یاد آتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے اس جگہ رہ کر اپنی عمر کا بہت سا حصہ ضائع کر دیا ہے۔ قید سے رہا ہونے کے بعد اگر میں اس طرف آنے کی بجائے دریائے بایس عبور کر کے پھر ایک بار تمہاری برادری کے لوگوں میں پہنچ جاتا تو میں ایک بہت بڑا کام کر سکتا تھا۔ وہ لوگ بہت اچھے تھے انہیں صرف ایک فوجی رہنما کی ضرورت تھی۔ میں چند مہینوں میں انہیں سپاہی بنا دیتا اور انہیں متحد کر کے راجہ کی فوجوں کے سامنے

ایک لوبے کی دیوار کھڑی کر دیتا۔ کنول پھر تم اپنے ملک کی رانی ہوتیں اور میں تمہاری فوجوں کا سینا پتی ہوتا۔ سماج کے بڑے بڑے راجے تمہارے مقابلے کے لیے آتے اور میں انہیں شکست دیتا۔

کنول نے بھولے پن سے جواب دیا، "کنول کو رانی کہلانے میں وہ خوشی نہ ہوتی جو آپ کی داسی کہلانے میں ہے اگر آپ وہاں جاتے تو بھی میں اپنی خوشی سے آپ کو لڑائی میں نہ جانے دیتی۔ ہم پہاڑوں میں کہیں دور جا کر اپنی جھونپڑی بنا لیں اگر اب بھی آپ کا ارادہ ہو تو ان پہاڑوں میں ایسے مقام ہوں گے جہاں راجہ کی فوجیں نہیں پہنچ سکیں گی۔"

سکھدیو نے کہا، "کنول! شاید حالات ایسے ہو جائیں کہ میں جانا ہی پڑے لیکن اب وہاں میرے لیے کیا دل چسپی ہوگی۔ تمہاری قوم اب سماج کی غلامی کی غلامی ہو چکی ہوگی۔ وہ اپنی آزادی چھیننے والوں کو دیتا سمجھنے کے ہوں گے۔ ان کی حالت اب ویسی ہوگی جو ہمارے راجہ کے شہر کے آس پاس رہنے والے شودروں کی تھی۔"

کنول نے کہا، "میں نے سنا ہے کہ راجہ سماج سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

سکھدیو نے جواب دیا، "وہ بے وقوف ہے۔ ان بستیوں میں چرواہوں کی آبادی مرد عورتیں اور بچے ملا کر دس ہزار بھی نہیں اور وہ ان لوگوں کے بل بوتے پر راجہ بنتے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"آج جب آپ باہر گئے تھے تو اس کی بیوی میرے پاس آئی تھی وہ کہتی تھی میں رانی ہوں گی۔"

پھر ٹیل کہیں کی! شانتا دوسرے کونے سے یہ کہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ کنول اور سکھدیو ہنسنے لگے۔

سکھدیو نے پوچھا، "بیٹی! ابھی تم جاگ رہی ہو؟"

"پتا جی بسو رہی تھی۔ سینے میں ڈونڈتا کو دیکھ کر ڈر گئی۔"

"سو جاؤ بیٹا! وہ کوئی خوفناک چیز نہیں۔"

"پوچھا! بدھو کہتا تھا اس کی زبان بہت لمبی ہے وہ بچوں کو کھا جاتا ہے۔"

"بدھو جھوٹ کہتا تھا تم سو جاؤ۔"

شانٹا لیٹ گئی۔ لیکن کچھ سوچ کر پھر اٹھی۔ اور مادھو کے سر خانے جا بیٹھی۔ اس نے مادھو کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا، "بھیا! صبح دیرتا کو دیکھنے چلیں گے۔"

مادھو نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ "چلی جا پھر ٹیل کہیں کی۔ پتا جی اب بسو نہیں دیتی۔"

کنول نے برہم ہو کر کہا، "شانٹا! اسے کیوں تنگ کرتی ہو۔ اگر اس نے ایک چھت رسید کر دی تو پھر آدھی رات تک روتی رہو گی۔"

شانٹا پھر اپنی چار پائی پر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر چھت کی طرف دیکھنے کے بعد بولی، "ماتا! بارش کہاں سے آتی ہے؟"

کنول خاموش رہی لیکن مادھو نے یلٹے یلٹے جواب دیا۔

"بادلوں سے اور کہاں سے؟"

"بادل کہاں سے آتے ہیں؟"

"پہاڑوں سے۔"

"پہاڑ کہاں سے آتے ہیں؟"

مادھو خاموش ہو گیا۔ شانتا نے سکھدیو سے پوچھا، "پتا جی! پہاڑ کہاں سے آتے ہیں؟"

”تمہارے سر سے کنول نے برہم ہو کر کہا۔ اب سو جاؤ نہیں تو مار کھاؤ گی“
 شانتا نے آنکھیں بند کر لیں لیکن تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔

”ماتا جی!“

”کیا ہے؟ کنول نے سختی سے کہا۔

”کچھ نہیں۔“

”کچھ نہیں تو مجھے کیوں بلایا تھا؟“

”ماتا جی! چچا بدھو آج نہیں آیا۔“

”نہیں آیا تو میں کیا کروں ایسی بارش میں وہ کیسے آسکتا ہے؟“

باہر پانی اور کچھ میں کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ شانتا ”چچا بدھو!“

چچا بدھو! کہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ بدھو نے دروازے کے قریب آکر آواز

دی ”بھیا!“

شانتا نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ بدھو اندر داخل ہوا۔ سکھ دیو نے کہا

”بدھو! تمہیں بارش میں بھی آرام نہیں آتا۔ سر دی لگ جائے گی۔ کہاں سے

آئے ہو؟“

”گھر سے۔“

”نہیں تمہارے تمام کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم ویر سے

بارش میں پھر رہے ہو؟“

”بھیا بڑے زور کی بارش ہو رہی ہے۔ ذرا باہر نکل کر تو دیکھو۔ کپڑے

بھیگتے ہیں یا نہیں۔“

”لیکن تم کا نپ بھی سے ہو۔“

کنول نے کہا ”بھیا! کرتا ر کر چا در لپیٹ لو۔ میں اسے سچوڑ دیتی ہوں“

”نہیں یہ ابھی سو کھ جائے گا۔ یہ کہہ کر بدھو سکھ دیو کی چار پائی کی پائنتی

سے کپڑا ایک طرف ہٹا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

”بھیا! معلوم ہوتا ہے کہ رامو کا یہ دلویتا بہت منحوس ہے ایسی بارش کبھی

نہیں ہوتی تھی اگر صبح تک یہی حالت رہی تو دریا کا پانی اس طرف چڑھ آئے گا

اگر دریا کا پانی نہ بھی آیا تو بھی ہمیں بکریوں اور بھیتروں کی خاطر کسی ٹیلے پر جانا پڑیگا

میں ابھی جانوروں کا چھتر دیکھ کر آیا ہوں۔ اندر پانی کافی آگیا ہے۔ جھیل بھر گئی

ہے اور پانی ہماری بستوں کا رخ کر رہا ہے۔“

جھیل کا نام سن کر سکھ دیو چونک اٹھا ”تم جھیل پر سے ہو کر آئے ہو؟“

”بھیا! وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ باہر نکل کر دیکھ لیں۔ گاؤں کی

ٹھکیاں ندی تالے بنی ہوئی ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ رامو، تھو اور مکھو کی بستیاں

بہر جائیں گی۔ رامو کا گاؤں سب سے نیچے ہے۔ اگر اس کی بستی بہر گئی تو وہ بھی

کے گا کہ دلوتانے کسی کے جرم کا بدلہ لیا ہے۔ وہ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے جھوٹ

بولنے کی سزا ملے ہے۔“

سکھ دیو نے حیران ہو کر پوچھا ”کیسا جرم؟“

بدھو پریشان ہو کر سکھ دیو کی طرف دیکھنے لگا۔ سکھ دیو کو سنجیدہ دیکھ کر

اسے اعتراف جرم کی جرأت نہ ہوتی اگر وہ سکھ دیو کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا

قبضہ بھی دیکھ لیتا تو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر یہ کہہ دیتا: ”بھیا! میں اس مصیبت

کو ختم کر آیا ہوں لیکن سکھ دیو کی تیز نگاہیں اس کے لیے حوصلہ شکن ثابت ہوئیں

اس نے گھبرا کر جواب دیا ”وہ یہ کہے گا کہ تم نے دلوتانے کو کھٹے ام کھلائے ہیں۔“

شانتا نے پوچھا ”چچا وہ ام کھاتا ہے؟“

بدھو نے جواب دیا ”وہ نہیں کھائے گا۔ رامو کھا کر اس کے آگے گھٹیاں

اور جھلکے بھینک دئے گا۔

کنول ہنس پڑی سکھ دینے مسکراتے ہوئے کہا: بدھوا تم اب بہت جالاگ ہو تے جاتے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم تمہاری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

سکھ کو نے ہنسنے سے روکے یہ بات کہی تھی لیکن بدھوا سے پروا نہ کر سکا۔ اس کا دل بلیٹھ گیا۔ اس نے ڈنڈ بانی ہوئی آنکھوں سے سکھ کی طرف دیکھا۔ میری وجہ سے تم مصیبت میں پھنس جاؤ؟ بھیا اتم یہ کیوں نہیں کہتے کہ بدھوا کہیں ڈوب کر مر جائے۔

اسے اتم ناراض ہو گئے میں نے تو تمہاری تعریف کی تھی۔ اچھا اب میری سناؤ!

ہنسری بجانے کی درخواست پر بدھوا سب کچھ بھول گیا۔ اس نے کہا: میری ہنسری تو گھر سے۔

شانتا! مادھو کی ہنسری دینا!

مادھو ہمیشہ ہنسری سر ہانے رکھ کر سوتا تھا۔ شانتا نے اٹھ کر ہنسری اٹھائے ہوئے اس کی گردن پر چٹکی لی۔ مادھو بلبلا تا ہوا اٹھا اور آنکھیں ملتا ہوا بولا: مانا! یہ پھر پھیر رہی ہے۔ میں نے پٹیا تو پھرنے کہنا۔

کنول نے ڈانٹ کر کہا: شانتا بہت شرمیلی ہو گئی تم!

شانتا بدھو کو ہنسری دے کر پھر اپنی جگہ جا بیٹھی۔ مادھو لیٹ گیا لیکن ہنسری کی لے کاڑی میں پڑتے ہی "چھا بدھو، چھا بدھو" کہتا ہوا چھراٹھ بیٹھا۔ رات آدمی سے زیادہ گزر گئی۔ مادھو، شانتا اور کنول ہنسری کی بیٹھی تانوں میں کھو کر سو گئے۔ سکھ کی آنکھوں پر غنودگی طاری ہو رہی تھی لیکن اس

نے بدھو کی دل شکنی کو راز نہ کی۔ ٹھٹھا تا ہوا چرانج بھج گیا اور بدھو کی ہنسری کی آخری تان بارش کے ترانے میں فنا ہو گئی۔

اس نے کہا: "بھیا! دیا بھج دیا میں جاتا ہوں۔"

سکھ دینے کہا: "بہنیں پڑتے رہو۔ میں مادھو کے ساتھ سلو جاتا ہوں۔" نہیں بھیا! میں نکریوں کی خبر لینا ہوں۔ بارش بند نہیں ہوئی صبح تک دیر کا پانی ضرور آجائے گا۔

یہ کہہ کر بدھوا اٹھا لیکن دروازے کے قریب جا کر رک گیا۔ سکھ کی کا پھر جس کی سنجیدگی اور منتانے نے اس وقت تک اس کے ہونٹوں پر مہر لگا رکھی تھی اب تاریکی میں تھا۔ بدھو کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنی انتہائی جرات سے کام لیتے ہوئے کہا: "بھیا! اب!"

کیا ہے بدھو؟ بدھو کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ الفاظ اس کے ہونٹوں پر آ کر رک گئے "بھیا! میں جاتا ہوں۔ بدھو نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھولا اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

بدھو کے جانے کے بعد سکھ یوں مانگین دروازہ کے لینا ہی تھا کہ گاؤں کے مختلف اطراف سے عورتوں، مردوں اور بچوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر کنول کو جگایا اور کہا: "کنول شاید پانی آ گیا۔ مادھو اور شانتا کو جگاؤ شاید ہمیں بھاگنا پڑے۔"

کنول نے بستر سے اٹھ کر پاؤں نیچے رکھتے ہی گھبرا کر کہا: "پانی تو ہمارے مکان کے اندر بھی آ گیا ہے اور بھیک گئی ہوگی۔"

یہ سنا کر وہ دونوں کے متعلق سوچنے کا وقت نہیں۔ ہمارا مکان کافی اونچی جگہ ہے اگر اس جگہ پانی آ گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پاس کی تھوڑی سی پانی اس

ت سیلاب میں بہہ رہی ہوں گی۔
 صحن میں مویشیوں کے چلنے کی آہٹ پا کر سکھ دیو نے جلدی سے اٹھ کر
 دروازہ کھولا۔ بدھوتین گدھے ہانکتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس نے چلا کر کہا: بھیا
 بھیا!! جلدی کرو۔ دریا چڑھ آیا ہے۔ لوگ ٹیلوں کی طرف بھاگ رہے ہیں آپ
 جلدی سے گدھوں پر سامان لادیں۔ اتنی دیر میں نہیں بکریوں کو کسی اور نچی جگہ چھوڑ
 آتا ہوں۔ یہ کہہ کر بدھو، سکھ دیو کے جواب کا انتظار کیے بغیر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

(۲)

علی الصباح بدھو، سکھ دیو اور اس کے بال بچے بستی سے قریب ایک
 کوس ادرنئے دیوتا کے ٹیلے سے قریب آدھ کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹے
 سے ٹیلے پر کھڑے آس پاس کے ٹیلوں کی طرف بھاگ کر پناہ لینے والے
 لوگوں کی چیخ بکھار سن رہے تھے۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔ فضا میں پورب اور کھج
 کے افق پر چھائی ہوئی کالی گھٹاؤں کے درمیان سفید بادل کے ہلکے سے تقابلاً
 کے نیچے مختلف رنگوں اور شکلوں کے بادل مشرق سے مغرب کا رخ کر رہے
 تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندروں کے بادشاہ نے جس لشکر کو ہمالیہ کی
 عظمت اور تقدیس پر اپنی دولت کے خزانے سنبھال کر رکھنے کے لیے بھیجا تھا۔
 وہ اپنی پونجی کا کچھ حصہ بچا کر پنجاب کے وسیع میدانوں کا رخ کر رہا ہے۔
 دریائے راوی میں پھیل چکا تھا۔ پانی بدستور چڑھ رہا تھا۔
 بستیوں میں بانس اور سرکنڈے کی جھونپڑیاں کہیں نظر نہ آتی تھیں کہیں کہیں
 مٹی کے مکانوں کے کچھ حصے پانی کی سطح سے اوپر نظر آ رہے تھے لیکن وہ

بھی آہستہ آہستہ منہدم ہو کر پانی کی آغوش میں روپوش ہوتے چلے جا رہے تھے۔
 آس پاس کے ٹیلوں پر عورتوں کی گریہ و زاری سے معلوم ہوتا تھا کہ بستیوں
 کے تمام باشندے صحیح سلامت ٹیلوں پر نہیں پہنچ سکے۔ یہ ٹیلے اب ایک وسیع
 جھیل کے چھوٹے چھوٹے ٹاپوں جکے تھے اور بڑھتے ہوئے سیلاب نے ان کے
 درمیان آمد و رفت کے راستے بند کر دیے تھے۔

سکھ دیو ان لوگوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے ارادے سے کئی بار پانی
 میں تیر کر آس پاس کے ٹیلوں پر جانے کے لیے تیار ہوا لیکن کنول اور بدھو نے
 اسے ہر بار روک لیا۔ بدھو بار بار یہ کہتا: بھیا! اتنی دور تیر کر جانا آسان نہیں اور
 یہ سب بے وقوف ہمارے دشمن ہیں ہمیں ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے
 ہم پانی اترتے ہی کہیں دور چلے جاتیں گے۔

بدھو کے تمام دلائل سکھ دیو کو یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کر سکے کہ یہ لوگ
 اس کے دشمن ہو سکتے ہیں لیکن کنول کی التجاؤں اور بڑھتے ہوئے سیلاب نے
 اسے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔

سکھ دیو کا ارادہ بھی نہ تھا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے
 ٹیلے پر پناہ لے لیکن رات کے وقت جب بدھو مویشی لے کر بستی سے نکلا تو
 اس نے راستے میں کئی ٹیلے چھوڑ کر اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی جہاں کسی اور کے
 آنے کا گمان نہ ہو سکتا تھا۔ رات کے وقت چرواہوں کی اکثریت نے نئے وقت
 کے اونچے اور کشادہ ٹیلے کا رخ کیا اور بعض نے بدھو کو بھی اپنے ساتھ کھینچنے
 کی کوشش کی تھی لیکن اس نے صاف کہہ دیا تھا۔ نہ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں
 اور نہ تم ہمارے ساتھ آؤ۔

شانتا اور مادھو سکھ لویہ کنول اور بدھو سے ذرا ہنٹ کر ایک طرف پیٹھے
 مٹی کے گھروندے بنا رہے تھے۔ مادھو نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "شانتا!
 دیکھو! بادلی بھاگ رہے ہیں۔ یہ اب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور تھوڑی
 دیر بعد ستورج نکل آئے گا۔"

شانتا نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "نہیں بھئی! یہ اب بھیر بکریاں
 اور گامین بھینسیں بن کر رڑی رڑی بھیلوں کی طرف جا رہے ہیں وہاں سے پانی پی
 کر آئیں گے اور پھر بارش ہوگی۔"

"اگر اور بارش ہوئی تو بستی کی طرح یہ ٹیلا بھی ڈوب جائے گا۔ پھر تم کہاں
 جائیں گے؟"

"اوپچے اوپچے درختوں پر چڑھ جائیں گے۔"

"اور ہماری بھیریں؟"

شانتا سوچ میں پڑ گئی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے جواب دیا "ہم
 درختوں پر نہیں چڑھیں گے پہاڑوں کی طرف چلے جائیں گے۔ چچا بدھو کہتا تھا،
 پہاڑ درختوں سے بہت اوپچے ہوتے ہیں۔ مادھو! تم نے پہاڑ دیکھے ہیں؟"
 "نہیں؟"

"چچا بدھو کہتا تھا کہ میں نے پہاڑ دیکھے ہیں وہاں زمین میں سوراخ ہوتے
 ہیں جن سے ہر وقت ٹھنڈا میٹھا اور صاف پانی بہتا رہتا ہے۔ ان کی چوٹیاں
 بادلوں سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ اگر ہم وہاں گئے تو بادلوں کے ساتھ کھیلا
 کریں گے۔ یہ بہت تیز بھاگتے ہیں۔ وہاں لوگ ان پر سواری کرتے ہوں گے!"

مادھو نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "میں بھی وہاں جا کر بادل پر سواری
 کیا کروں گا۔"

"اور میں بھی۔"
 "نہیں تم نہیں! لڑکیاں بادلوں پر سواری نہیں کرتیں۔"
 یہ کہہ کر مادھو نے بدھو کی طرف دیکھا "چچا! بدھو! چچا! بدھو! میں پہاڑ پر
 جاؤں گا۔ بادلوں پر سواری کیا کروں گا۔ تم بھی چلو گے نا؟"

"ہاں بیٹا! ہم یہاں نہیں رہیں گے۔"
 مادھو نے سکھ لویہ اور کنول کی طرف دیکھا "ماتا! پتا جی! ابھی اور بھی بارش
 ہوگی۔ یہ ٹیلا ڈوب جائے گا۔ چلو پہاڑ کی طرف چلیں۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے۔
 ماتا! تم نے پہاڑ دیکھے ہیں؟"

کنول نے جواب دینے کی بجائے سکھ لویہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں
 میں آنسو بھر آئے۔

مادھو پھر لولا "ماتا! تم نے پہاڑ نہیں دیکھے؟"
 "بیٹا! میں پہاڑوں کے قریب پیدا ہوئی تھی۔
 "وہاں زمین سے پانی نکلتا ہے۔"
 "ہاں۔"
 "تو میں وہاں ضرور جاؤں گا۔ کنول پھر سکھ لویہ کی طرف دیکھنے لگی۔
 سکھ لویہ نے کہا "کنول! ہم وہاں جائیں گے۔"
 مادھو، سکھ لویہ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ پتا جی کب جائیں گے؟"
 "جب پانی ٹھتر جائے گا۔"
 کنول بولی "لیکن وہاں آپ کے دشمن ہوئے تو؟"

اب ہمیں کوئی پہچانے گا تہااری قوم کو یہ خیال تک نہیں آئے گا کہ تم ان کے سردار کی لڑکی ہو۔ اب اگر راجہ کے سپاہی بھی وہاں موجود ہوں تو انہیں شکیں بھی نہیں ہوگا کہ میں کبھی ان کا سینا پنتی تھا۔ کنول ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

بدھوان باتوں میں بہت دل چسپی لیتا تھا لیکن اس کی ساری توجہ نئے دیوتا کے ٹیلے کی طرف تھی۔ وہ اس بلند ٹیلے پر سچم کی صرف معمولی سی جھلک دیکھ سکتا تھا۔ اتنی دُور سے کسی کی آواز اس کے کانوں میں نہیں آسکتی تھی۔ تاہم وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ تمام اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ اس کا وہ غلط بھی نہ تھا۔ نئے دیوتا کے پیجاڑیوں کو مورتی کا سرگم ہوجانے کی وجہ معلوم ہو چکی تھی۔

بدھو کی بستی کے کئی چوڑے اس کی کلبھاری جو وہ رات کے وقت بدھو کے چوڑے پر چھوڑ آیا تھا پہچان چکے تھے وہ اپنی تباہی اور بادی کی تمام تر ذمہ داری بدھو کے سر چھوڑنا چاہتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا جو اس مورتی کو توڑنے والے کی بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن راموا اپنی پُرجوش اور مدلل تقریروں سے یہ ثابت کر چکا تھا کہ تمہارا اصلی دشمن بدھو نہیں سکھدیو ہے۔ بدھو ایک بے وقوف انسان ہے وہ اپنے ارادے سے ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ بدھو کو ایسی حرکت پر یقیناً سکھدیو نے اکسایا ہوگا۔ سکھدیو سماج کا بیٹا ہے اور ہمارے احسانات اسے ہمارا بھائی نہیں بنا سکے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا دیوتا ہماری مدد پر بوجس کی بدولت ہم ترقی کریں۔ ہم اپنے کھوئے ہوئے حقوق واپس لیں اور سماج والوں کی برابر ہی کریں۔ وہ دشمن کا جاسوس ہے۔ سماج والوں کو اس بات کا خوف ہوگا کہ ہم کسی وقت ایک طاقت ور دیوتا کی مدد سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے کئی سال پہلے ہی ہمارے پاس اپنا

جاسوس بھیج دیا ہم نے ان کی ہر طرح خدمت کی لیکن اس خدمت کا اس نے آج یہ بھل دیا ہے کہ ہمیں آس پاس سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ ہم سب پر یہ مصیبت فقط دیوتا کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے آئی ہے۔ چونچے خود میں اور مرد و ڈوب مرے ہیں ان کا خون سکھدیو کے برے تم سب بیوقوف ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس سے بدلہ نہیں لو گے لیکن دیوتا اپنا بدلہ لے گا اور ضرور لے گا۔ دیوتا مارا نہیں کرتے روپ بدلہ لاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا دیوتا کسی نہ کسی دن نئے روپ میں یہاں آجائے گا۔ سکھدیو اس کے غضب سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اس نے پاپ کیا ہے اسے مرنا ضرور ملے گی؟

(۴)

شام کے وقت مطلع صاف ہو چکا تھا۔ سورج کی چمک آگ کے دھکتے ہوئے انگاروں کی سرخی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ شفق کی سرخی پانی کی تہ میں آگ کے ایک کانپتے ہوئے ستون کی طرح نظر آتی تھی پھر ڈبکتے ہوئے سورج کی پلشانی پانی کی سطح کو چھونے لگی اور آگ کا مینار پانی کی سطح کے نیچے پھیل کر نون کا دریا بن گیا۔

بالآخر زیم کا ثنات کی شمع پر دوں میں چھپ گئی اور روتے زمین پر اسی تاریک بادل چھا گئے لیکن آسمان نے سورج کی ایک مشعل سے محروم ہوجانے پر ستاروں کے ہزاروں چراغ جلا لیے۔

ایک پہر رات گزر جائے پر مشرق کی ایک پہاڑی کے عقب سے دھیمی سی روشنی کی کرنیں نمودار ہو کر آسمان پر نصفت دائرے میں پھیل گئیں اور تھوڑی دیر میں پہاڑوں کی چوٹی پر چاند کا فرتی تاج نظر آنے لگا۔

بدھونے دن کے وقت ٹیلے کے آس پاس پانی میں ڈوبے ہوئے لیکر کے
درختوں کی ٹہنیاں کاٹ کر کافی ایندھن جمع کر لیا تھا لیکن سوکھی لکڑیاں نہ ہونے
کی وجہ سے وہ مچھلی پکانے کے لیے آگ نہ جلا سکا۔ دن بھر ٹیلے پر آگی ہوئی گھا
کے تنکے نوچنے کے باوجود بکریاں اور بھیرٹیں سیر نہ ہوئی تھیں۔ تاہم ان کا تھوڑا
بہت دودھ ان کے لیے کافی تھا۔ شاننا اور مادھو کو خالی دودھ پنی کر تسلی نہ
ہوئی۔ رات کے وقت جب وہ بدھو کے قریب لیٹے اس سے کہانی سن رہے
تھے۔ شاننا نے مادھو کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا اور وہ پانی پینے کے بہانے
اٹھ کر ایک طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آکر شاننا کے قریب بیٹھ گیا۔ مادھو
کی مٹھیاں بند دیکھ کر شاننا اس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ گئی اور اٹھ کر دونوں
ہاتھ مادھو کی طرف پھیلا دیئے۔ مادھو نے بدھو کی طرف دیکھا اور ہاں چپا کہہ
کر شاننا کے ہاتھوں میں کچے چاولوں کی مٹھی کھول دی۔ تھوڑی دیر بعد بدھو
بات سناتے سناتے اچانک رگ گیا اور بولا "تم کیا کھا ہے ہو؟ دونوں منہ
بند کر کے بدھو کی طرف دیکھنے لگے۔

شاننا نے جھک کر بدھو کے کان میں کہا "چچا منہ کھولو!"

بدھو نے منہ کھولا اور شاننا نے جلدی سے چاول کے چند دانے اس
کے منہ میں گرا دیئے۔ بدھو "اول ہوں، پگلی کہیں کی" کہہ کر خاموش ہو گیا اس کے
بعد تینوں بے تکلف چاول چبا رہے تھے۔

اپنا اپنا حصہ ختم کرنے کے بعد تینوں ایک دوسرے کی طرف تنکے لگے۔

چچا میں اور لانا ہوں یہ کہہ کر مادھو پھر اٹھا جبے پاؤں منکے کے قریب جا کر بیٹھ گیا
چاول کی چند مٹھیاں نکالی کر جھولی میں ڈالیں اور اسی آگ پر بدھو کے قریب بیٹھ گیا اس
پر بہت زیادہ ہیں۔ بدھو نے یہ کہہ کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے *

راہو کا انتقام

رات کے تیسرے پہر کنول کی درد ناک چیخ نے بدھو کو گہری نیند سے
بیدار کر دیا وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چند قدم کے
فاصلے پر کنول سکھدیو کے سینے پر سر رکھے منہ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس چیخ
کو محض اپنا دم سمجھتے ہوئے دوبارہ لیٹ جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسے سکھدیو
کے کر اپنے کی آواز آئی۔

بدھو سہمی ہوئی آواز میں پکارا "بھیا!"

سکھدیو نے جواب دینے کی بجائے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ بلند کیا ایک
لمحہ کے لیے اس کا بازو منہ میں کھڑا رہا اور پھر گوشت کے ایک بے جان ٹکڑے
کی طرح نیچے آ گیا۔ بدھو دہشت زدہ ہو کر "بھیا! بھیا! اکتنا ہوا سکھدیو کی طرف
بھاگا۔ قریب پہنچ کر اس نے ایک ہیبت ناک منظر دیکھا اور اس کے جسم میں خن
کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ سکھدیو کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا کنول
کا ایک بازو جو سکھدیو کے سر کے نیچے تھا خون سے تر ہو چکا تھا۔ وہ سکھدیو
کے سینے پر پیشانی رکھے گہری نیند میں مدہوش دکھائی دیتی تھی۔ بدھو چند لمحے
مہوت کھڑا رہا۔

یہ وہم ہے میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہیں نہیں!
بدھو نے چند بار آنکھیں بند کر کے اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دینے کی کوشش

کی لیکن صبح کی تروتازہ ہوا کے چند جھونکوں نے اس کی تمام جسمانی صلاحیتوں کو بیدار کر دیا۔ وہ ایک دردناک آواز میں "بھیا! بھیا! اکتا ہوا سکھد یو کے قریب بیٹھ گیا۔ جب وہ سکھد یو کا ہاتھ ہلانے اور زور زور سے آوازیں دینے کے بعد مایوس ہو گیا تو وہ "بہن بہن" کہتا ہوا کنول کے کندھوں کو مضبوط ہاتھوں میں پکڑ کر بھنجھوڑنے لگا۔ شاننا اور مادھو اپنے بستر سے اٹھ کر پریشانی کی حالت میں چہیتے چلاتے اس کے قریب آکھڑے ہوئے۔

کنول نے چند بار گہرے سانس لینے کے بعد آنکھیں کھولیں۔ بدھو نے انتہائی بے قراری کی حالت میں پوچھا "بہن کیا ہوا۔ کیا ہوا بہن ایتا تو میرے بھائی، میرے دوست کو کیا ہوا؟ کنول کچھ دیر سکتے کے عالم میں بدھو کی طرف دکھتی رہی لیکن اچانک اس کی رگوں میں ایک غیر معمولی ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ برق کی سی تیزی سے اٹھی۔ بھاگ کر ٹیلے سے نیچے اترتی اور پانی کے کنارے جا کھڑی ہوئی۔ بدھو بھی بھاگ کر اس کے قریب پہنچا کنول نے پانی کی طرف اشارہ کیا اور کہا وہ جا رہا ہے۔ بدھو میں ان کا بدلہ ضرور لوں گی۔ وہ بھاگ کر پھر ٹیلے پر چڑھ گئی۔ بدھو غور سے پانی کی طرف دیکھنے لگا۔ کنارے سے کچھ دور اسے پانی میں کوئی متحرک شے نظر آرہی تھی۔ "یرا مو ہے۔ یرا مو ہے۔" اس کے دل نے گواہی دی۔

تھوڑی دیر بعد کنول واپس آئی اس کے ہاتھ میں سکھد یو کی تلوار تھی وہ تلوار جو آج سے کئی برس پہلے اسے رام داس نے دی تھی۔ کنول کنارے پر پہنچ کر پانی میں کودنے کو تھی کہ بدھو نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ کنول! سکھد یو کا بھائی ابھی زندہ ہے تم بچوں کی خبر لو۔ یہ کہتے ہوئے اس نے زخالی ہاتھ پانی میں پھلانگ لگا دی۔

وہ جبے پناہ قوت جو انتقام کے جذبے نے ایک لمحہ کے لیے کنول کے دل میں بیدار کر دی تھی اچانک رخصت ہو گئی۔ واپس ٹیلے پر چڑھتے ہوئے شاننا اور مادھو کی چیخ پکار سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ اپنی ٹانگوں پر ایک غیر معمولی بوجھ محسوس کرنے لگی۔ وہ اپنے شوہر کا انتقام لینے کے لیے زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر طوفان کی موجوں میں کود سکتی تھی لیکن اپنی زندگی کے چراغ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا اس کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔ وہ ایک انتہائی المناک حقیقت کا سامنا کرنے سے پہلے اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دینے کے لیے چند بار چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے سراپا بے کسی کی تصویر بن کر انہماں کی طرف دیکھا اور اپنی نحیف آوازیں کہا:

"انے زبردست اور انصاف پسند طاقت امیری زندگی انہیں عطا کر دے اس بے رحم دنیا میں میرے بچوں کو مجھ سے زیادہ ان کی ضرورت ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ کنول کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے اور جھپٹا ہوا چاند اور مٹھاتے ہوئے ستارے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور وہ آہستہ آہستہ سکھد یو کی طرف بڑھی۔ مادھو اور شاننا رستے ہوئے بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ ماتا نے اس کی مردہ رگوں میں پھر ایک بار جان ڈال دی۔ اس نے پیار سے بچوں کو ایک طرف ہٹایا اور سکھد یو کے قریب بیٹھ کر اس کا سراپا کو دہن رکھ لیا۔

مادھو نے بچکیاں لیتے ہوئے پوچھا "ماتا! پتا جی کو کیا ہوا؟ ان کے سر سے خون بہ رہا ہے۔"

"بیٹا! تم بھاگ کر کٹو سے میں پانی لاؤ۔"

مادھو نے شاننا کی طرف دیکھا اور کہا "شاننا! تم میرے ساتھ آؤ۔"

مجھے ڈر لگتا ہے۔

مادھو اور شانتا پانی کے رائے۔ کنول نے بڑی مشکل سے سکھدیو کے دیوانے میں انگلیاں ملنے کے اس کام کو کھولا۔ مادھو نے پانی کا کٹورا ہانڈے سے لگا دیا۔ پانی کے چند گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کے بعد سکھدیو نے آنکھیں کھولیں۔ کچھ بعد دیگرے مادھو، شانتا اور کنول کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا "بدھو کہاں ہے؟" کنول نے محسوس کیا کہ زبردست اور انصاف پسند طاقت کے سامنے۔ اس کی دعا رائیگاں نہیں گئی۔ اس نے تسلی آمیز لہجے میں جواب دیا "آپ کے سر پر معمولی زخم آیا ہے۔ بدھو ابھی آجائے گا وہ ابھی اچھی آپ کے دشمن کے پیچھے گیا ہے۔" سکھدیو نے کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

کنول نے مادھو سے کہا "بیٹا! ذرا اپنے پتا کے سر کو سہارا دینا۔ میں ٹپی باز ہوں۔" مادھو نے دونوں ہاتھوں سے سکھدیو کے سر کو سہارا دیا اور ۱۲ کنول نے سکھدیو کی پگڑی کا کچھ حصہ پھاڑ کر اس کے سر پر ٹپی باز ہونے اور پھر اس کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ سکھدیو نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور کہا: "کنول! شاید بدھو کو دیر ہو جاتے اس سے کہہ دینا میں بچوں کو اسے سونپ کر جا رہا ہوں۔ اگر وہ نہ آیا تو پانی اتر جانے پر بچوں کو اپنے وطن واپس لے جانا۔" بیاس کے کنارے کنارے اور پکی طرف چلتی جانا تمہیں وہ پہاڑیاں دکھائی دیں گی۔ وہ پہاڑیاں...! سکھدیو کی آنکھوں میں آنسو امد آئے۔

کنول نے کہا "آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ تندرست ہو جائیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ ہوں گے۔"

سکھدیو نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے مادھو اور شانتا کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کے سر اپنے سینے پر رکھ لیے اور پھر آنکھیں بند کر

اپنی نجیفت و لافراوا میں کہنے لگا "اے زبردست اور انصاف پسند طاقت! ان کی حفاظت کرنا تیرے سوا دنیا میں ان کا کوئی نہیں... کوئی نہیں... کوئی نہیں۔" سکھدیو کے نوزنٹ بدستور بل رہے تھے لیکن ضعف کے باعث اس کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

صبح کے آثار نمودار ہونے سے پہلے سکھدیو نے چند بار اور آنکھیں کھولیں اور کچھ مہم باتیں کیں۔ اس کے بعد اس پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی اور کنول ہر بار مادھو کی مدد سے اسے پانی پلا کر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

(۲)

بدھو چرواہوں میں بہترین تیراک مانا جاتا تھا۔ وہ چند سال قبل برسات کے دنوں میں ایک چرواہے سے دو بکریوں کی شرط لگا کر دریا عبور کر چکا تھا۔ رامو کو یقین تھا کہ وہ سکھدیو کی موت خاموشی سے برداشت نہیں کرتے گا۔ اس لیے وہ ان دونوں کو ایک وقت موت کے گھاٹ اتارنے کے ارادے سے اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن سکھدیو اور بدھو ٹیلے کے مختلف کونوں میں ایک دوسرے سے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر سوئے تھے اور ان کے درمیان میٹھی اور بکریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رامو کو ان میں سے ایک پر وار کر کے فوراً دوسرے کے قریب جا کر حملہ کرنا آسان نظر نہ آیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر ایک کے زخمی ہونے سے دوسرا بیدار نہ ہوا تو وہ دونوں کو ختم کر ڈالے گا ورنہ ایک پر ضرب کاری لگاتے ہی بھاگ جائے گا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ سکھدیو کے بعد بدھو اتنا خطرناک ثابت نہیں ہوگا جس قدر بدھو کے بعد سکھدیو

بھڑوے و قوت سے لیکن سکھ یو مقابلے کی چوٹ سے بدھو کے انتقام سے بچنے کی امید ہو سکتی تھی لیکن سکھ یو کے انتقام کے تصور سے اس کا جی گھبراتا تھا۔

سکھ یو کے سر پر کلہاڑی کی ضرب نے کنول کو بیدار کر دیا اور اس کی خوفناک چیخ نے رامو کے ہوش و حواس مختل کر دیے۔ اس نے بدحواسی کی حالت میں دو بارہ کلہاڑی بلند کی لیکن ان لوگوں میں عورت کا قتل ایک ایسا فعل تھا جس پر رامو جیسے انسان کا ضمیر بھی صدمے احتجاج بلند کیے بغیر نہ رہا۔ کنول زخمی شوہر کے سینے پر سر رکھ کر بے ہوش ہو گئی اور رامو نے کلہاڑی ٹیلے کے نیچے پھینک کر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ کچھ دیر اپنی پوری قوت سے تیرتا رہا۔ ٹیلے سے قریب پاس قدم کے ناسلے پر اس نے مڑ کر دیکھا جب کوئی پیچھا کرتا ہوا نظر نہ آیا تو وہ مطمئن ہو کر آہستہ آہستہ تیرنے لگا۔ جب بدھو نے پانی میں چھلانگ لگائی تو رامو کو

دور جا چکا تھا۔

بدھو تازہ دم تھا اور اس کی رفتار رامو کے مقابلے میں بہت تیز تھی اور وہ کادرمیانی ناصیل تیر سچ کم ہو رہا تھا۔ بدھو اب اسے چاند کی روشنی میں اچھی طرح دیکھ سکتا تھا اسے یقین تھا کہ اگر وہ پوری طاقت کے ساتھ تیرنا شروع کرے تو رامو کو بہت جلد جاسے گا لیکن اسے یہ بھی خوف تھا کہ اگر رامو نے اسے دیکھ لیا تو وہ سیدھا بڑے ٹیلے کی طرف جانے کی بجائے اس پاس کے کسی چھوٹے ٹیلے پر پناہ لینے کی کوشش کرے گا اور ان ٹیلوں کے پناہ گزین اس کی حمایت کے لیے نکل آئیں گے۔ اس لیے اس نے مزے کے سوا اپنا سارا جسم پانی میں چھپائے رکھا اور رامو کو یہ شبہ نہ ہونے دیا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

چھوٹے چھوٹے ٹیلوں سے آگے گزر کر جب بدھو کو یہ اطمینان ہو گیا کہ دشمن اب بڑے ٹیلے کے سوا کسی اور جگہ پناہ کا رخ نہیں کر سکتا تو اس نے

لگا کر کہا: بدھو! اور پوری طاقت کے ساتھ پانی کو چیرتا ہوا رامو کی طرف بڑھنے لگا۔

رامو پر لگے دوسرے کا بھاری تھا لیکن وہ ٹلنے والی بلا بڑھ کر دیکھ کر اس نے ایک لومڑی کی فراست سے کام لینے کی بجائے ایک اور ذریعے کی قوت فیصلہ سے کام لینا بہتر سمجھا۔ وہ تونا کا ٹیلا جو اس کی آخری جائے پناہ تھی ابھی کافی دور تھا۔ اگر ٹیلا نزدیک ہوتا تو وہ یقیناً بدھو جیسے بے طہمت آدمی کو اپنی سپاسیاریہ جھیلو کا شرت دینے کی بجائے جھاگ نکلنا زیادہ دانشمندانہ فعل خیالی کرتا لیکن آہستہ مقابلے کے سوا چارہ نہ تھا۔ رامو نے اپنے قد کی بلندی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ذرا کم گہرے پانی میں پاؤں جمانے کا ارادہ کیا لیکن بدھو کی رفتار کی تیزی نے جس قدر عجلت ایسے ہی اس میں وہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود کوئی ایسی جگہ تلاش نہ کر سکا۔ پانی ہر جگہ اس کے قدم سے زیادہ تھا وہ مایوس ہو کر دشمن کی طرف دیکھنے لگا۔ بدھو رامو کے قریب آ کر رک گیا اس نے ہانپتے ہوئے کہا:

رامو! اب تم نہیں جاسکتے۔

رامو نے فوراً تار لیا کہ بدھو کا سانس پھولا ہوا ہے اور وہ تازہ دم ہو کر چلا کر ناچا ہوتا ہے اس لیے وہ موقع دے بغیر پانی کو دونوں ہاتھوں سے پھیر کر آگے بڑھا اور بدھو کا گلا دبوچنے کی کوشش کی لیکن بدھو نے اچانک غوطہ کھا دیا۔ رامو پریشان ہو کر ابھی پانی کی لہروں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کے عقب سے بدھو کا سر نمودار ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر رامو کے سر کے بال پکڑ لیے اور دونوں پانی میں غائب ہو گئے۔

(۳)

"ماتا اچھا آگیا" شاننا نے بدھو کو ٹیلے پر چڑھنے دیکھ کر کہا۔
 سکھدیو نے بدھو کا نام سن کر آنکھیں کھولیں۔ بدھو بھاگتا ہوا اس کے
 قریب پہنچا اور بھیا! بھیا! اکتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سکھدیو کچھ کہے بغیر بدھو
 کی طرف ٹٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ بدھو جو آج تک سکھدیو کو رعب و جلال اور صبر
 استقلال کا مجسمہ سمجھتا آیا تھا اس کی افسردہ اور مخموم نگاہوں کی تاب نہ لاسکا۔
 اس کی آنکھوں میں آنسو اُٹنے لگے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:
 "بھیا! تم فکر نہ کرو تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔ میں رامو کو موت کے گھا
 اتا ر آیا ہوں۔ اب ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ بھیا! بھیا! سکھدیو بھیا! میں تمہارا بدھو ہوں"
 سکھدیو کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بدھو
 سے نگاہ ہٹا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ستارے آہستہ آہستہ صبح کی روشنی
 میں رُوپوش ہو رہے تھے۔ چاند کی روشنی بتدریج ماند پڑ رہی تھی۔ سکھدیو کی بے جا
 رگوں میں اچانک ایک ارتعاش پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں ہلنے لگے۔ آنکھوں
 میں ایک خوف ناک چمک آگئی اس نے بے قراری کی حالت میں تیزی سے سانس
 لیتے ہوئے کنول، بدھو، شاننا اور مادھو کی طرف دیکھا۔ کنول! کنول! کنول!!!
 کہتے ہوئے اس کی آواز بیٹھ گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے۔
 پھر ایک لمبی سالتس کے بعد سکھدیو کی زندگی کا ٹٹا ہوا چراغ بجھ گیا۔
 کنول، بدھو اور بچوں کی موجودگی کا احساس کیے بغیر دیوانہ وار اس کی آنکھوں
 اس کے ہونٹوں اور اس کی پیشانی کو چوم رہی تھی: